القول الجلی

فی

حیات النبی

از

حضرۃ مولانا قاضی شمس الدین

جامعہ صدیقیہ محلہ مجاہد پورہ گوجرانوالہ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء

الحمد للہ کہ کتاب مسمّٰی بہ

القول الجلی

فی

حیات النبی ﷺ

ادارہ اشاعت التوحید والسنۃ کی سعی جمیل سے طبع ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیوٰۃ بعد الممات کو نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور محققین علماء وصوفیاء کے اقوال کی روشنی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے سننے والا اس مسئلہ کی گہرائیوں تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیوٰۃ بعد الممات کی حقیقت و نوعیت کو پوری طرح معلوم کر سکتا ہے۔

تالیف

ضی شمس الدین، مہتمم جامعہ صدیقیہ محلہ مجاہد پورہ گوجرانوالہ

محمد طاہر الحسنی --
نوجوانِ توحید و سنت دولتالہ تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی

بشکریہ: مولانا مفتی کفایت اللہ عثمانی صاحب

طبع ——— دوم

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ——— ۶ روپے

جون ۱۹۸۲ء

www.facebook.com/AllamaKhizarHayat

www.facebook.com/NTS.Pak

www.ntspcamp.wordpress.com

www.ziaetoheed.com

www.nidaehaq.com

www.panjpir.com

www.alishaat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد عرض ہے کہ ہمارے شیخ المشائخ اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ قطب وقت نے ایک خاص ضرورت کے پیشِ نظر (دفع اعتراض شیعہ از ذات گرامی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ در منع میراث النبی صلی اللہ علیہ وسلم از تقسیم بین الورثاء) اپنی کتاب "آبحیات" لکھی اور برق طبع تو آپ کی ضرب المثل ہے ہی اور آپ کی دیانت وتقویٰ خشیۃ اللہ کی تعریف کرنا ہی سورج کو چراغ دکھانا ہے (آفتاب آمد دلیل آفتاب) مگر آنحضرت نے اس کتاب میں طریق بحث یہ اختیار فرمایا کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیوٰۃ دنیویہ الآن کما کان زندہ ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی موت متعارف بمعنی انفکاک الروح عن الجسد آپ پر طاری نہیں ہوئی اور میراث تقسیم ہوتی ہے بعد الموت لہٰذا یہاں تقسیم میراث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ ارشاد آنحضرت کا ان کے خدام (ہم جیسے لوگوں) کی سمجھ میں نہ آیا لہٰذا اپنے لئے راہ نجات یہ منتخب کی کہ اسے حضرت کے تفرد پر چھوڑ دیا جائے اور اپنے لئے وہی طریق جمہور

سلف صالحین اور ائمہ دین اور جمہور علماء اُمت اختیار کیا جائے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی موت متعارف بمعنے انفکاک الروح
عن الجسد طاری ہوئی ہے۔

اب ہمارے اس اختیار کردہ مسلک میں دو چیزیں ہیں۔ ایک آنحضرت
سے رائے میں اختلاف اور دوسرے خصوصاً اس چیز میں اختلاف، اور
آپ کی رائے گرامی کو چھوڑ دینا جس میں آپ متفرد ہیں۔ جہاں تک پہلی چیز
کا تعلق ہے وہ ایسی چیز ہے کہ زمانہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
سے لے کر آج تک ہر زمانے ہر قرن اور ہر صدی میں ایسا ہوتا رہا اور اس
کی اتنی مثالیں موجود ہیں کہ جن سے فقہاء کرام کی کتب فقہ کے انبار بھرے
پڑے ہیں اور بلا مبالغہ فقہ کا کوئی باب اس سے خالی نہ ملے گا کہ جس میں
قال ابو حنیفۃ کذا وقال مالک کذا وقال الاوزاعی کذا وقال السفیان الثوری
کذا وقال الشافعی کذا وقال احمد کذا وقال ابو یوسف کذا وقال محمد کذا نہ لکھا ہو۔
دلائل سے بحثیں ہوتی ہیں کتاب اللہ وسنۃ رسولؐ، اجماع امۃ اور قیاس
صحیح کو پیش کیا جاتا ہے، نسخ ترجیح تطبیق تساقط کو درمیان میں لایا جاتا ہے
قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ قطعی الثبوت،
ظنی الدلالۃ ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ کے فرق بیان ہوتے ہیں، تحقیق
مناط تنقیح تخریج مناط کے جھگڑے ہوتے ہیں۔ انتہی ب علت کے لئے

طرد و عکس (دوران) کو لیا جائے یا السبر والتقسیم کو پیش نظر رکھا جائے کی بحثیں
ہوتی ہیں۔ انقطاع روایۃ، اضطراب فی المتن، اضطراب فی الاسناد، ادراج
من الراوی تصحیف من الناسخین قلب من الراوی، اختصار مخل من الراوی،
علۃ، شذوذ، نکارت کو پرکھا جاتا ہے، عنعنہ مدلس اور غیر مدلس میں فرق
بیان کیا جاتا ہے، خلاف عمل راوی لما رویٰ کو دیکھا جاتا ہے۔ الاعتبار
لما رویٰ لا لما رأی تک پہنچا جاتا ہے۔ الاعتبار بعموم الالفاظ لا بخصوص
المورد کو اصل بنایا جاتا ہے، عبارۃ النص اشارۃ النص دلالۃ النص
اقتضاء النص کے تفاوت بیان کیے جاتے ہیں۔ خبر واحد کی حجیت
کی کتنی شرائط ذکر کی جاتی ہیں۔ کسے راجح اور کسے مرجوح قرار دیا جائے
وغیر ذالک، سینکڑوں علمی بحثیں ہوتی ہیں، ایک فرمائے گا حدیث مرسل
حجت ہے دوسرا کہے گا، نہیں، ایک کہے گا عام قطعی ہے دوسرا کہے گا
نہیں، ایک کہے گا مفہوم مخالف معتبر ہے۔ دوسرا کہے گا نہیں۔ ایک
کہے گا استثناء تکلم بالباقی بعد الثنیا ہوتا ہے، دوسرا کہے گا اس میں اثبات
نفی کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ایک فرمائے گا تعلیق بالشرط کی صورت میں شرط
سبب پر وارد ہے۔ دوسرا بولے گا نہیں حکم پر۔ ایک فرمائے گا
موضع اختلاف میں حق واحد ہے۔ دوسرا کہے گا متعدد۔ ایک کہے
کفر کی علت صرف التزام کفر ہے۔ دوسرا کہے گا یہ بھی اور لزوم کفر

بین بھی، ایک کہتا ہے وحدت فی الوجود ہے، دوسرا کہتا ہے وحدت
فی الشہود وعلی ہذا القیاس ہلم جرا الی ما تعد ولا تحصی اور ہر ایک فریق
اپنے اپنے مسلک کے دلائل پیش کرتا ہے۔ اور دوسرے کے دلائل
کے جوابات دیتا ہے، کبھی قول بالموجب سے کبھی حل سے کبھی منع سے
اور نقض تفصیلی سے، کبھی نقض اجمالی سے کبھی معارضہ سے کبھی مصادرہ
علی المطلوب سے کبھی عدم تکرار اوسط سے کبھی عدم اندراج اصغر
تحت الاکبر سے کبھی نسخ ترجیح اور تطبیق سے الی غیر ذالک کما ہو مملوۃ بہ
کتبہم پھر ترتیب تقدم کتاب اللہ پھر سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
پھر اجماع امت پھر قیاس صحیح متنبط منہا کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور
پھر قیاس میں یہ احتیاط کیا جاتا ہے کہ کہیں نص کے خلاف یا
مورد نص میں تو نہیں ہو رہا۔ پھر قیاس اور استحسان کے مقابلہ
کی صورت میں اثر خفی کی قوت کو دیکھا جاتا ہے۔ اور نقل اجماع
میں تواتر، شہرت اور نقل بطریق الآحاد میں امتیاز کیا جاتا ہے
حدیث صحیح اور حسن اور ضعیف میں فرق کیا جاتا ہے۔ اور صحیح متفق علیہ
اور ما تفرد بہ البخاری اور تفرد بہ مسلم اور ما اخرجہ غیرہما من التزم الصحۃ
کے درجات بیان کئے جاتے ہیں۔ اصح الاسانید متعین کرنے تک
کلام ہوتی ہیں۔ دار قطنی اور ابن جوزی کی جرح اور حاکم اور

ابن حبان کی تصحیح میں گفتگو ہوتی ہے۔ جرح مفسر اور غیر مفسر میں امتیاز
کیا جاتا ہے۔ فتوے دیتے وقت طبقات فقہاء مجتہد فی الشرع
مجتہد فی المذہب، مجتہد فی المسائل، اصحاب تخریج، اصحاب تصحیح،
اصحاب تمییز تک چھان بین کرنے کی ہدایات فرمائی جاتی ہیں،
مسائل ظواہر، مسائل نوادر اور مسائل نوازل میں فرق بیان
کیا جاتا ہے۔ تفردات مجتہدین سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی
جاتی ہے۔ جیسے اتمام الصلوٰۃ فی المنیٰ از امیر عثمانؓ واتمام الصلوٰۃ
فی السفر از عائشہؓ اثبات حرمۃ بارضاع کبیر از عائشہؓ عدم سنیۃ
رمل فی الطواف از ابن عباسؓ عدم اشتراط وطی زوج ثانی در تحلیل
از ابن المسیبؒ، جواز مزامیر و ملاہی از ابن حزمؒ، سقوط صلوٰۃ جمعہ
بصلوٰۃ عید اذا اجتمع الجمعۃ والعید فی یوم واحد از عبد اللہ بن الزبیر
عدم استحسان تمتع بالحج والعمرۃ فی سفر واحد از امیر عمرؓ عدم جواز سفر
الی المدینۃ بارادۃ زیارۃ روضۃ النبی ﷺ از ابن تیمیہؒ، القول بان ذبیح اللہ
ہو اسحاق علیہ السلام از ابن جریر طبریؒ اور اس کی بیسیوں مثالیں آپ کو
ملیں گی کہ جہاں بعض افراد کبار سے کسی مسئلہ میں تفرد ہوا وہاں علماء
محققین نے یہی صورت اختیار کی کہ ان کا تفرد ان پر چھوڑ دیا۔
اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور ان کے حق میں یاوہ گوئی

کرنے سے کف لسان کیا مگر اپنے آپ کو جمہور امۃ سے وابستہ رکھا علماء محققین کے اس طریق کار کو آج تک کسی نے معیوب نہیں قرار دیا۔ بلکہ سراہا گیا۔ کسی نے یہ نہ کہا کہ قصر فی المنیٰ کرنے والے امیر عثمانؓ کا خلاف کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں۔ شرط وطی زوج ثانی فی التحلیل کرنے والے سعید بن المسیبؒ کا خلاف کر رہے ہیں۔ اور کیوں کر رہے ہیں۔ وہ اتنا بڑا جلیل القدر تابعی ہے یہاں تک کہ اسے افضل التابعین تک کہا گیا کابی بکر فی الصحابہؓ اور حرمۃ مزامیر وملاہی کا قول کرنے والے ابن حزمؒ کا خلاف کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں وہ اتنا بڑا جلیل القدر محدث ہے جسے آیۃ من آیات اللہ تک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عدم ثبوت حرمۃ بارضاع کبیر کے قائل ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا خلاف کر رہے ہیں۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔ رمل فی طواف القدوم کرنے والے رئیس المفسرین ابن عباسؓ کا خلاف کر رہے ہیں۔ جمعہ کے دن عید آ جانے سے عید اور جمعہ دونو نمازیں پڑھنے والے عبد اللہ بن الزبیر کا خلاف کر رہے ہیں تمتع کرنے والے حضرت امیر عمرؓ خلیفہ ثانی افضل امۃ بعد ابی بکر کا خلاف کر رہے ہیں۔ سفر الی المدینۃ بارادۃ زیارۃ روضۃ النبیؐ کرنے والے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا خلاف کر رہے ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام

کو ذبیح اللہ کہنے والے امام ابن جریر طبریؒ کا خلاف کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ طریق جرح آج تک کسی کے خیال میں بھی نہیں آیا اور نہ کسی نے اسے پسند کیا اور نہ ہی یہ عند اللہ غیر مستحسن اور قبیح ہے۔ کہ اکابرین میں سے اگر کسی نے اپنی رائے میں تفرد کیا تو اسے ترک کر دیا جائے اور اپنے لئے راہ جمہور منتخب کر لی جائے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان کے حق میں کف لسان کرتے ہوئے ادب احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے یاوہ گوئی نہ کی جائے۔

پھر نہ اس سے دین بگڑتا ہے نہ اسلام اور نہ ہی اس طرح کرنے والا ان اکابرین کے مسلک کلی سے خارج ہو جاتا ہے۔ جن کے تفردات کا وہ خلاف کر رہا ہے کیا قصر فی المنیٰ کرنے والے امیر عثمانؓ کے مسلک کلی سے اور قصر فی السفر کرنے والے حضرت عائشہؓ کے مسلک کلی سے اور تمتع فی الحج کرنے والے حضرت امیر عمرؓ کے مسلک کلی سے خارج ہو گئے؟ پھر صاحبین نے جو سینکڑوں مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کا خلاف کیا تو کیا آپ کے مسلک سے خارج ہو گئے۔ یہ تو اتنا بودا اعتراض ہے کہ اسے کوئی ذی علم بلکہ کوئی ذی شعور انسان وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ ہاں عوام الناس کو کسی کے خلاف اکسانے کے لئے

یہ اچھا خاصہ حربہ ہے اور اگرچہ دیرپا تو نہیں مگر کچھ وقت کے لئے
اس حربہ کو استعمال کرنے کا شرف حاصل کرنے والے عوام کو دھوکہ
دے سکتے ہیں مگر یہ حقیقت واضح ہونے کے بعد کہ آپ نے قصر فی
المنٰی کر کے امیر عثمانؓ کا خلاف کیا، قصر فی السفر کر کے عائشہ صدیقہؓ
کا خلاف، اشتراط وطی زوج ثانی فی التحلیل کا قول کر کے سعید بن المسیب
کا خلاف کیا، تمتع فی الحج کر کے امیر عمرؓ کا خلاف کیا وعلی ہذا القیاس
بیسیوں اکابرین کے تفردات ملیں گے جن کا آپ نے خلاف کیا اور
کر رہے ہیں اور کرتے بھی رہیں گے۔ اور اس میں آپ اپنے آپ کو
نہ مجرم گردانتے ہیں نہ گنہگار اور نہ اکابرین کے مسلک کلی سے خارج تو
کیا کسی اور نے بھی آپ کے اس عمل کی پیروی کرتے ہوئے اگر بعض
اکابرین کے تفردات کو اللہ تعالٰی کے سپرد کیا اور اپنے لئے دیانۃً
جمہور کی راہ پسند کی تو کیا وہ مجرم گنہگار سیاہ کار ہو جائے گا۔ وہی
کام آپ کریں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ۔ امیر عمرؓ، امیر عثمانؓ، ابن عباسؓ
عبداللہ بن الزبیر، ابن المسیبؒ، ابن الحزمؒ، ابن تیمیہؒ کا خلاف
کریں تو آپ پر کوئی قدغن نہیں اور وہی کام کوئی دوسرا کرے تو
وہ گنہگار، مجرم اور سیاہ کار۔

الغرض اس طرح کے حقائق واضح ہونے کے بعد اور یہ حقیقت

کھل جانے کے بعد کہ "ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند" عوام بھی
دیر تک اس دھوکہ میں نہیں رہ سکتے۔ بہرحال گذارش کرنے کا مقصد
یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حضرت عائشہ، حضرت عمر، حضرت عثمان،
حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت سعید بن المسیب
رضی اللہ عنہم اور بیسیوں اکابرین امت کے تفردات کا خلاف کر کے
نہ مجرم ہوتا ہے نہ گنہگار، نہ سیاہ کار، نہ ان کے مسلک کلی سے
خارج، تو کیا حضرت استاذ الاساتذہ نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تفرد
سے گریز کرنے والا ہی واحد گناہگار رہے۔ پھر تعجب یہ ہے ان کے
قول کا سب خلاف کر رہے ہیں اور اس کے باوجود خود خلاف کرتے
وقت نہ مجرم نہ گنہگار نہ دیوبندیت سے خارج اور نہ ہی کوئی ان
پر الزام عائد ہوتا ہے۔ کہ آپ نے حضرت مرحوم کا مسلک کیوں چھوڑ
دیا ہے۔

حضرت مرحوم تو اس کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایک لمحہ کے لئے بھی موت متعارف طاری نہیں ہوئی اور یہ
قول کر لینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حی بحیوٰۃ دنیویہ
ہونا کچھ سمجھ بھی آتا ہے۔ الغرض آپ حضرات نے اسے تو ترک
بھی کر دیا اور جہاں تک سننے میں آیا ہے آپ اس کے ترک

کر دینے کی وجہ بھی یہی بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ حضرت مرحوم کا تفرد ہے
اور اس کو چھوڑتے ہوئے نہ آپ گنہگار ہوئے نہ مجرم اور نہ ہی دائرہ
دیوبندیت سے خارج اور اگر نہیں چھوڑا تو پھر اس کا اعلان کریں کہ
ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حادثہ موت متعارفہ کے ورود
کے قائل ہی نہیں۔ رہی آیات قرآنیہ "کل نفس ذائقۃ الموت"
"کل شیئ ھالک الا وجھہ" "کل من علیھا فان"
"افان مت فھم الخالدون" "انک میت وانھم
میتون" تو ان کی تاویلات کے لئے آپ پر دروازہ کھلا ہے۔
سارے حجازی کہتے ہیں کہ عام اپنے عموم میں ظنی ہے۔ حنفیہ
میں سے ماوراء النہری کہتے ہیں کہ عام اپنے عموم میں ظنی ہے۔ اگر
مشائخ عراق نے قطعی کہہ دیا تو آپ اس کے مقابلہ میں عام اشاعرہ
کا اس میں توقف کرنا، تلجی اور جبائی کا جنس میں ایک پر یقین کرنا
جمع میں تین پر اکتفا کرنا، جمہور فقہاء اور متکلمین کا ظنی کہنا پھر خبر
واحد سے تخصیص کر لینا پھر استغراق حقیقی کو چھوڑ کر استغراق عرفی
پر حمل کر لینا آخر جمع الامیر الصاغۃ بھی عام ہی ہے۔ پھر تسامح فی التعبیر
پر حمل کر لینا پھر حقیقۃ مجاز کی بحث چھیڑ دینا پھر استعارہ مکنیہ
بالکنایہ استعارہ مصرحہ تحقیقیہ مصرحہ، تخییلیہ ترشیح بنا لینا کوئی

چیز پیش کر سکتے ہیں جو لوگ کسی غریب خادم دین کو بدنام کرنے
کے لئے یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ لفظ حفرہ کفار اور منافقین
کی قبور کے ساتھ مختص ہے کسی ادنیٰ سے مومن کی قبر پر بھی اس کا
اطلاق گناہِ عظیم ہے۔ حالانکہ مقدمہ حاشیہ صحیح بخاری ص۲ میں
حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ امیر المؤمنین
فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فرماتے ہیں۔ "
لما صلے علیہ ووضع فی حفرتہ فاح من تراب قبرہ
رائحۃ طیبۃ اور آپ کو خیال تک نہیں آتا کہ میں امام بخاری
کی قبر پر حفرہ کا لفظ استعمال کرتے ہوئے وضع فی حفرتہ
کیوں کہہ رہا ہوں۔
" سنن ابن ماجہ ص۱۱۳ میں ارشاد ہے فقال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ارفقوا بہ رفق اللہ بہ انہ کان یحب اللہ ورسولہ
قال وحفر حفرتہ ایک صحابی کی قبر پر جس کی تعریف یہ ہے یحب اللہ
ورسولہ لفظ حفرہ کا اطلاق کیا گیا۔ اور سنن ابن ماجہ ص۱۱۸ میں
ارشاد ہے ثم دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسط
اللیل من لیلۃ الاربعاء ونزل فی حفرتہ علی بن ابی طالب
والفضل بن عباس۔ اور جو لوگ " انک میت وانھم میتون"

ہیں معطوف اور معطوف علیہ کی یہ انوکھی مغائرۃ بیان کرنے سے نہیں جھجک محسوس کرتے کہ چونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرۃ ضروری ہے لہٰذا یہاں معطوف اور معطوف علیہ میں مثبت اور منفیوں سے علیحدہ علیحدہ معانی مراد ہیں تو پھر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول میں اطاعت کے معنی متعدد اور مختلف ہونگے غدوھا شہر وروا حھا شہر میں لفظ شہر کے معنی اسکن انت وزوجک الجنۃ میں جس کی تقدیر بقول بعض اسکن انت ولتسکن زوجک الجنۃ ہے لفظ سکونت کے معنی فانی و قیامہا لغریب اے فانی بہا لغریب و قیار بہا لغریب میں لفظ غریب کے معنی مختلف ہوں گے۔

الغرض جو لوگ یہ سب کچھ کسی خادم کو بدنام کرنے کے لئے کر سکتے ہیں ان کے سامنے آیات مذکورہ بالا اور اسی طرح افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم جس کی تاویل کرنے سے حضرت امیر عمرؓ عاجز آگئے اور حضرت صدیق اکبرؓ کی تقریر سن کر سر تسلیم خم کر دیا۔ تاویل کر لینا کوئی مشکل نہیں اور پوچھنے والا بھی کون ہے مگر مومنوں کی کشادہ پیشانیاں ہیں وہ کہتے چلیں جی سے جو کچھ بھی چاہیں ان کے اس طرح کرنے سے اچھی خاصی جماعت دیوبندیہ میں تشتت

اور انتشار پیدا ہوتا ہے تو ہوتا ہے اختلاف اور افتراق کی خلیج وسیع ہوتی ہے تو ہوتی رہے اہل دیوبند کی جماعت حقہ کی قریباً ایک صدی کی ان تھک کوششوں پر پانی پھرتا ہے تو پھرتا رہے۔ اکابرین و مشائخ دیوبند حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت مولانا شیخ الہند حضرت مولانا احمد علی، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی حضرت مولانا خلیل احمد حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی حضرت مولانا محمد انور شاہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ و نور مراقدہم کی اور ہزار دل کوششوں کو نقصان پہنچتا ہے تو پہنچتا رہے۔ مبتدعین سر بازار انہیں گالیاں دیں اور ان کے حق میں مغلظات بولیں تو بولتے رہیں ان حضرات کی رگِ حمیت میں جنبش نہیں ہوتی۔ اگر انہیں غصہ آتا ہے تو اپنے خدام پر جو انہیں اپنے بزرگوں میں شمار کرتے ہیں ؎

ببیں تفاوت راہ از کجا تا بکجا است

کسی نے سچ کہا: "جب میں طاقتور کو دیکھتا ہوں تو مجھے رحم آجاتا ہے۔ اور جب کمزور کو دیکھتا ہوں تو غصہ آجاتا ہے"۔

بازاروں کے جوکوں میں اکابرین ملۃ اور خود ان حضرات کو نام لے لے کر گالیاں دینے والے چھوٹ گئے اور آج تک اکابرین کی طرف سے اور خود ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے پکڑے گئے۔ ھل جزاء الاحسان

الا الاحسان - فالی اللہ المشتکیٰ - القصہ نہ تو ان حضرات نے حضرت مرحوم نانوتوی کا مسلک اختیار کیا - جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لئے بھی ورود موت متعارف کے قائل نہیں اور نہ ہی جمہور سلف صالحین کا تو ان کی مثال ہوئی جیسے ابو علی بن سینا کہ نہ تو ارسطو کی راہ اختیار کی جو جسے قدیم بالزمان کہتا ہے قدیم بالذات بھی کہتا ہے اور نہ اہل اسلام کا مسلک اختیار کیا کہ جسے حادث بالذات اعتقاد کرتے ہیں، حادث بالزمان ہی گردانتے ہیں بلکہ بعض اشیاء (مثلاً عقول عندہم) کو حادث بالذات اور قدیم بالزمان کہہ دیا لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء، یا جیسے صلوٰۃ تراویح کے مسئلہ میں ہمارے معاصرین اصحاب الظواہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے رمضان شریف میں نہیں پڑھی، ہر رمضان میں نہیں پڑھی بالالتزام اول اللیل میں نہیں پڑھی - بجائے مسجد کے گھر میں پڑھنے کی تلقین فرمائی اور بیس رکعت بھی نہیں پڑھی - اب معاصرین اصحاب الظواہر پہلی سب چیزوں میں تو حنفیہ کے ساتھ ہیں - پورے رمضان میں پڑھتے ہیں - ہر رمضان میں پڑھتے ہیں - بالالتزام اول اللیل پڑھتے ہیں مسجد میں پڑھتے ہیں - مگر بیس اور رکعت کا جھگڑا ختم نہیں ہونے دیتے - اسی طرح یہ حضرات بھی حضرت مرحوم نانوتوی کو اس بات میں تو چھوڑ آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سرے سے موت متعارف آئی ہی نہیں - اور ہمارے ساتھ ہو لیے - یا چہ مجال یوں کہیے کہ ہمیں بھی ساتھ لیا مگر راسخ ہیں اگر حیوۃ دنیویہ یا اخرویہ میں ہمارے ساتھ بلکہ

یوں کہیے کہ اپنے دیرینہ خدام کے ساتھ الجھ پڑے -

حضرات! جب حضرت مرحوم کے اصل موقف کے چھوڑ دینے میں سب شریک ہیں تو آگے چل کر جھگڑنے میں کیا فائدہ؟ کہتے ہیں چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں مؤذن آیا اور اس نے اذان کہنا شروع کی ان میں سے ایک بولا مؤذن اذان کہہ رہے ہو کیا وقت ہوگیا - دوسرے نے کہا میاں نماز میں باتیں کر رہے ہو جو تیسرے نے کہا اسے کہتے ہو خود بھی تو کر رہے ہو - چوتھے نے کہا الحمد للہ میں نے تو کوئی بات نہیں کی - اس لئے میری نماز تو نہیں ٹوٹے گی - چاروں نے نماز توڑ دی اور ایک دوسرے پر الزامات لگانے کو سعادت سمجھا -

حضرات! باادب تمام گذارش ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ اس ایک جزئیہ کو لے کر سینکڑوں اہم اور ضروری خدماتِ دین پس انداز نہ کرتے - جس طرح از آغاز آپ بڑے ہم چھوٹوں کو ساتھ لیتے آئے آئندہ کی منازل راہ بھی اسی طرح طے کرتے - کیا آپ کے قوت آزمائی کرنے کے لئے شیعہ، مرزائی منکرین حدیث متبدعین تھوڑے ہیں کہ خواہ مخواہ اپنوں میں سے ایک جماعت کو ہدف سہام بنانا شروع کر دیا جن کا قصور صرف اتنا ہے کہ انہوں نے بعض اکابر کے تفردات کو اختیار کر کے جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کا خلاف کرنا پسند نہ کیا، بلکہ ان اکابر کے تفردات کو سپرد خدا کرتے ہوئے اپنے لئے راہِ نجات جمہور مسلمین سے وابستہ رہنا پسند کی اور نصوص قرآن و احادیث کو ان کے معانی متعارفہ پر حمل کیا - قیاس فی اللغۃ

سے اجتناب کیا۔ اخبار احاد کو لے کر قطعیات کو نہ چھوڑا۔ قسطلانی اور شیخ عبد الحق رحمہما اللہ کی عبارات پر آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ کو ترجیح دی اور یہ کون سا جرم ہے کون سا گناہ ہے کون سا قصور ہے اور کون سا عیب ہے کہ ایک شخص مثلاً کہتا ہے کہ مجھے موت کا معنی قاموس صراح۔ صحاح جوہری۔ لسان العرب۔ تاج العروس۔ الغرض کسی لغت کی کتاب میں ستر الروح فی الجسد، انقباض الروح فی القلب انحیاز الروح فی القلب نہیں ملتا اور نہ ہی اصمعی، خلیل بن احمد، سیبویہ، اخفش، مبرد سے یہ سننے میں آیا ہے اور نہ ہی شیخ عبد القاہر اور زمخشری نے کہیں اس کی طرف اشارہ کیا اور نہ ہی امام ابو حنیفہ، امام مالک امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن سلمہ، اسحاق ابن راہویہ، لیث بن سعد، حسن بصری سے کہیں یہ ملا کہ یہ حضرات اس کے قائل ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لئے بھی موت متعارف نہیں آئی یا آئی ہے اور اس کے بعد پھر اسی ساعۃ میں یا بعد چند حیوٰۃ دنیویہ عود کر آئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں بحیوٰۃ دنیویہ زندہ ہیں اور نماز فرض نہیں رہی مگر بحیوٰۃ دنیویہ زندہ ہیں اور روزہ فرض نہیں رہا مگر بحیوٰۃ دنیویہ زندہ ہیں اور جہاد فرض نہیں رہا مگر بحیوٰۃ دنیویہ زندہ ہیں۔ اور حج فرض نہیں رہا و علیٰ ہذا القیاس لوازم حیوٰۃ دنیویہ سب منتفی اور ملزوم جوں کا توں موجود آپ نے یہ کرشمہ دکھا کر کہ لوازم سب منتفی اور ملزوم جوں کا توں موجود ارسطو، فارابی اور ابن سینا کی

قبر پر لات ماردی اس لئے کہ آج تک تو ارسطو۔ فارابی۔ ابن سینا۔ ابن رشد اور جمیع اہل منطق یہی کہتے چلے آئے کہ ایک لازم کے انتفاء سے ملزوم کا انتفاء ضروری ہے ورنہ لازم، لازم نہیں رہے گا اور ملزوم ملزوم نہیں رہے گا اور اسی پر آج تک ان کے قیاس استثنائی اتصالی میں رفع تالی سے رفع مقدم نتیجہ نکالنے کا مدار رہا اور دندناکر کہتے رہے ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود لکن النہار لیس بموجود ینتج ان الشمس لیست بطالعۃ مگر آج آپ نے ان کو اس غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ لوازم الحیٰوۃ الدنیویۃ لیست بموجودۃ لکن الحیٰوۃ الدنیویۃ موجودۃ اس سے پہلے بعض حضرات نے یہ کہتے ہوئے کہ ؎

مثالے را کہ در شرطیہ گفتہ   بگو با منطقی کاں ہست مردود
رخ و زلفین یارم را نظر کن   کہ شمس طالعہ است لیل موجود

ان بیچارے منطقیوں کے قیاس استثنائی انفصالی کو جس میں صغریٰ ما قبل لیکن قضیہ منفصلہ حقیقیہ ہو جو باجماع مناطقہ وضع احد الجزئین سے رفع الجزء الآخر اور رفع احد الجزئین سے وضع الجزء الآخر پر منتج ہوتا ہے توڑ پھوڑ ڈالا اور شکل اول میں کلیۃ کبریٰ کے شرط کرنے سے اس کے دوری الانتاج ہو جانے کا سوال ابن سینا پر تو مشہور تھا ہی مگر آج آپ نے ان کے رہے سہے قیاس استثنائی اتصالی جس میں صغریٰ قضیہ شرطیہ لزومیہ ہو اس کی دھجیاں بھی

فضائے آسمانی میں اُڑا دیں اور چونکہ ہمیں بھی منطقیوں سے دلچسپی تو اتنی ہی ہے جتنی اہل اسلام کو ارسطو کی منطق سے ہونی چاہیئے لہٰذا خوش تو ہم بھی اسی میں ہیں کہ آپ ایسا ہی کریں مگر کیا کریں کہ ہمارے پاس منطقیوں کے اس قول کا جواب کوئی نہیں کہ انتفار لوازم بلکہ انتفار لازم واحد کی صورت میں وجود ملزوم کا قول کرنا بداہتہ عقل کے خلاف ہے۔ ہاں ہاں آپ اس کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ عالم برزخ کے حالات فہم وعقل اور ادراک عقل اور بداہتہ عقل سے بالاتر ہیں۔ مگر کیا کیا جائے آپ نے یہ کہہ کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں حیات برزخی نہیں دنیوی ہے اس جواب کا نفاذ بھی روک دیا۔ اور خواہ مخواہ ہمیں ان منطقیوں سے شکست دلائی۔

بہرحال گذارش ہے کہ حیوٰۃ دنیوی کے لوازم وہاں سراسر مفقود ہیں اور پھر ملزوم کے وجود کا قول کرنا بداہتہ کے خلاف ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بجسم عنصری یہاں قبر میں بھی ہوں اور وہاں چھٹے آسمان پر بھی اور اسی جسم سے قبر میں بھی ہوں اور اسی جسم سے حج کو بھی چلے جائیں۔ سوال یہ ہے کہ جب قبر سے اسی جسم عنصری کے ساتھ حج کو چلے جاتے ہیں تو اس وقت قبر میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر فرمائیں کہ اس وقت قبر میں موجود نہیں ہوتے اسے خالی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو پھر عرض ہے کہ جاتے وقت قبر کھلتی پھٹتی اور اس میں شگاف ہوتا ہے جس سے نکلتے ہیں یا کوئی

شگاف کوئی دراڑ نہیں ہوتا اور نکل کر چلے جاتے ہیں۔ دوسری صورت کا جہاں تک عالم اسباب سے تعلق ہے یہ محال ہے قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مردوں کو جلا کر قبروں سے نکالیں گے تو اس کے متعلق اذا القبور بعثرت فرمایا جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا سیّد ولد آدم یوم القیٰمۃ واول من ینشق عنہ القبر الحدیث (مشکوٰۃ ص۵۰۳) فرمایا میں وہ پہلا فرد ہوں جس سے قبر پھٹے گی۔

جہاں تک دلائل شرعیہ کا تقاضا ہے ایک انسان ہی کیا بلکہ زمین سے جو چیز بھی نکلتی ہے اس کے پھٹنے سے نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا اور پہلی صورت میں کبھی آج تک کسی نے دیکھا کہ کسی نبی و ولی اور صالح کی قبر پر گیا ہو اور وہ قبر پھٹی ہوئی اندر سے خالی پڑی ہو اور وہ مرد صالح اس میں تشریف فرما نہ ہو اور تھوڑی دیر کے بعد وہ مرد خدا حج کر کے واپس آئے اور قبر میں داخل ہو اور اوپر سے قبر مل جائے پھر اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری ایک اور بار قبروں سے نکالیں گے یہ بار بار کا خرق والتیام نہ قرآن کریم سے ملتا ہے نہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا نام و نشان تک ہی ملتا ہے بلکہ ارشاد ہوتا ہے ومن ورائہم برزخ الی یوم

یبعثون: یوم البعث سے پہلے واپسی میں پردہ ہے۔ نہ اٹھتا ہے نہ پھٹتا ہے۔

ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہو تو وہ خرق عادت مستمرہ پر حمل کیا جائے گا۔ پھر اگر یہ کہیں کہ وہی جسم عنصری قبر میں بھی رہتا ہے اور باہر بھی چلا جاتا ہے۔ تو عرض ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جن کو قائما فی قبرہ یصلی دیکھا (قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا) اور ایک وادی میں سرخ اونٹ پر سوار دیکھا (اما موسی فرجل آدم جعد علی جمل احمر مخطوم بخلبة کانی انظر الیه اذا انحدر فی الوادی (صحیح مسلم مع فتح الملہم ص۳۱۳) اور موسیٰ علیہ السلام پس مرد ہے گندم گوں گنجان بالوں والا سرخ اونٹ پر سوار جسے خلبہ کی مہار ڈالی ہوئی ہے گویا میں اسے وادی میں اترتے دیکھ رہا ہوں تلبیہ کہتے ہوئے اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا۔ اور آدم علیہ السلام جن کو پہلے آسمان پر دیکھا۔ یوسف علیہ السلام جن کو تیسرے آسمان پر دیکھا، ہارون علیہ السلام کو پانچویں آسمان پر دیکھا۔ ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا اور یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر سوار وادی ہرشا میں دیکھا کانی انظر الی یونس علی ناقة حمراء علیه جبة صوف خطام ناقته لیف خلبة مارا بهذا الوادی ملبیا (صحیح مسلم ص۳۳) ان سب حضرات کے دو دو تین تین اجسام عنصریہ تھے ایک ایک

اپنی اپنی قبر میں فروکش تھا۔ اور دوسرا یا تیسرا وہاں تھا جہاں دیکھا جا رہا تھا۔ یا وہ ایک ایک جسم ہی ان اوقات میں اپنی قبر خالی چھوڑ کر وہاں چلا گیا تھا۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین جو یہ سارے واقعات اسی جسم عنصری کے بناتے ہیں جو قبر میں آرام فرما اور فروکش ہے۔

اب وہ جواب بھی سنئے جو اس سوال کا یہ حضرات پیش کرتے کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے ؎

کالشمس فی کبد السماء وضوءها　　یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

سبحان اللہ جواب ایسا جس نے ابن عباس کی ذہانت اور ایاس کی فطانت کو مات کر دیا سورج کا ضوء ایسا ہے جو بلاد مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے یا وہ ایک جرم مضئی کے کتنے اجرام مضیئہ بن گئے ایک یہاں دوسرا وہاں اور تیسرا اور کہیں و علی ہذا القیاس۔

اور اس جواب کی جو تائید پیش کرتے ہیں وہ بھی لگے ہاتھ سن لیجئے!

فرماتے ہیں: عالم برزخ میں روح کو اتنی وسعت اور انبساط حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ اس میں تزاحم تضاد کا وسوسہ نہیں رہتا اسی کو کہتے ہیں سوال گندم، جواب چنہ۔ جناب آپ کا دعوی تو یہ ہے کہ سب واقعات جسم عنصری کے ہیں وہی قبر میں وہی اونٹ پر سوار وہی آسمان پر۔ میں مکرر عرض خدمت کرتا ہوں۔ آپ روح مفارق عن الجسد میں کلام نہیں کر رہے بلکہ آپ کا

تو سارا زورِ قلم اس میں صرف ہو رہا ہے کہ سارے واقعات جسم عنصری کے ہیں جو
قبر میں وہی وادی میں وہی آسمان پر وہی قبر کے اندر وہی قبر سے باہر تو آپ جواب
دیتے وقت اپنے موقف پر رہ کر جواب دیجئے اور بجائے روح کے جسم میں یہ تعدد
مکانی ثابت فرمائیے روح کو لے کر جواب دینا تو آپ امام الہند حضرت شاہ
ولی اللہ رحمہ اللہ کے لئے چھوڑ دیجئے جس کے مسلک سے آپ ناراض ہیں
اور جس کے مسلک کی آپ پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ اور اس کے مسلک پر
چلنے والوں کی آپ جابجا تحقیر کرتے ہیں۔ یہ تو وہ امام الہند فرماتے ہیں
والارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت کالموج المکفوف
لا یمنعها ارادة متجددة وداعیة سانحة۔

القصہ یہ جواب تو آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے
رہنے دیجئے جو اذا فارقت اجسادها فرما کر ارواح میں بعد
از مفارقۃ اجساد کلام کر رہے ہیں۔ آپ اپنے موقف کی طرف دیکھ کر
جواب دیجئے اور بتلائیے کہ قرآن کریم کی کس آیت اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی حدیث متواتر یا مشہور یا خبر واحد ہی سے ثابت ہوتا
ہے۔ کہ یہی جسم عنصری قبر میں بھی اور اس سے باہر بھی زمین پر اور
آسمان پر بھی چلتا پھرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا منها نخرجکم
تارة اخرى اور فرمایا و اذا القبور بعثرت اور فرمایا ومن
ورائهم برزخ الی یوم یبعثون اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: انا اول من ینشق عنه القبر۔ آخر کسی آیۃ

قرآنی یا کسی حدیث نبوی سے یہ بات کہ یہی جسم عنصری یہ سب کچھ کر رہا ہے،
عبارۃً، دلالۃً، اشارۃً اقتضاءً نکلتی ہے کوئی ظاہر نص مفسر محکم اس
پر دال ہے اس جسم عنصری کے قصہ کی دلیل آپ کے پاس کتاب اللہ سنۃ
رسول ہے۔ اجماع ہے، قیاس ہے اور جن معدودے چند حضرات کے ذمہ
آپ لگاتے ہیں، قسطلانی، سیوطی، شیخ عبدالحق وغیرہ ان کی بھی یہ مراد نہیں
کہ یہ جسم عنصری ہی ہر جگہ بعینہ وبذاتہ حاضر ہے اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ
کی ذات گرامی تو اس سے بہت بلند تر اور بالاتر ہے۔ آپ نے تو صرف عدم
حیات انبیاء کے سلسلہ میں تفرد فرمایا جو ہمیں سمجھ نہ آیا لہٰذا ہم اس کے قائل
نہ ہوئے اور ان کا معاملہ خداوند تعالیٰ کے سپرد کیا۔ مگر آپ نے تو قیام میلاد
کرنے والوں کو بھی کوسوں پیچھے چھوڑ دیا۔ وہ تو ارواح طیبہ کے جگہ جگہ
تشریف لے جانے کے قائل ہیں اور آپ نے تو اجسام کاملین کو جن کے متعلق
اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون،
جگہ جگہ پھرایا اور آپ کے لئے ایسا کرنے کے مواقع بھی ہیں۔ اس لئے کہ
ہمارے بزرگ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
حضرت شیخ الہند مرحوم وغیرہم ترویج سنۃ کی اتنی سعی فرما گئے ہیں کہ کچھ
مدت تک ہم ان کے پسماندگان اپنی طرف سے بدعت ایجاد کر کے ان کی
طرف منسوب کر دیں تو عوام اسے بھی سنت ہی سمجھیں گے۔ اس لئے کہ ان
مشائخ اور بزرگانِ دین نے اشاعت توحید و سنۃ میں اتنی سعی بلیغ فرمائی کہ
جہاں ان کے نام نامیہ اور اسمار گرامی آجائیں وہاں عام ذہن یہی ہے

کہ بدعت نہیں ہوگی اور حقیقت بھی یہی ہے پھر کیوں نہ ان حضرات
کے نام لے کر مردے بھی کئے جائیں اور متقی بھی بنا جائے ...... کچھ
مدت تک تو یہ خوب چلے گا بعد میں دیدہ باید۔

بہرحال بحث و انبساط ارواح کا قصہ تو آپ امام الہند حضرت
شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے لئے چھوڑ دیں۔ جو صرف ارواح کے متمثل
بصورۃ اجسام ہونے کے قائل نہیں بلکہ اعراض بمعانی۔ صفات کے
بھی متمثل بصورۃ اجسام ہونے کے قائل ہیں۔ اور اسی اصل کے تحت
بہت سے غوامض شرعیہ کا حل کر کے امۃ مرحومہ پر احسان فرمایا اور اللہ
تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ وہ حل آپ لوگوں کے اجتہاد پر نہیں چھوڑ گئے
ورنہ خدا جانے آپ وہاں کیا کیا کہہ کر امۃ مرحومہ کو کس ورطہ میں ڈالتے
وہ توحجۃ اللہ البالغہ کے صہ۱ میں فرماتے ہیں۔ اعلم انہ دلت
احادیث کثیرۃ علی ان فی الوجود عالما غیر عنصری یتمثل
فیہ المعانی باجسام مناسبۃ لہا فی الصفۃ۔ جان لے کہ بہت سی
احادیث نے اس پر دلالت کی کہ وجود میں ایک جہان ہے جہان عنصری
کے سوا جس میں معانی (صفات اعراض چہ جائیکہ ارواح) متمثل ہوتے
ہیں صورۃ اجسام میں جو صفۃ میں ان معانی کے مناسب ہوں اور آگے
چل کر فرماتے ہیں۔ وان کثیرا من الاشیاء مما لا جسم لہا
عند العامۃ تنتقل و تنزل ولا یراہا جمیع الناس۔ اھ
بہت سی چیزیں جن کا عوام کے نزدیک کوئی جسم نہیں ایک مکان سے

دوسرے کی طرف چلتی پھرتی ہیں اور اترتی ہیں۔ اور سب لوگ انہیں نہیں
دیکھتے پھر اسی پر قیام رحم لما خلق اللہ الرحم قامت الحدیث
اور سورہ بقرہ اور آل عمران کا قیامت کے دن آنا ان البقرۃ و
آل عمران تاتیان یوم القیمۃ الحدیث۔ اور اعمال کا قیامت کے
دن آنا تجئ الاعمال یوم القیمۃ تجئ الصلوۃ ثم تجئ الصدقۃ
ثم تجئ الصیام الحدیث اور معروف و منکر دو مخلوقیں بنا کر قیامت
کے دن لوگوں کے سامنے کھڑا کیا جانا ان المعروف والمنکر لخلیقتان
تبعثان للناس یوم القیامۃ۔ الحدیث اور ایام الدنیا (دنیا کے
دنوں کا) قیامت کے دن اپنی ہیئۃ پر کھڑا کیا جانا۔ وقال ان اللہ
تعالیٰ یبعث الایام یوم القیامۃ کہیئتہا ویبعث الجمعۃ
زہراء منیرۃ اور دنیا کا قیامت کے دن بوڑھی عورت کی شکل
میں کھڑا کیا جانا ویؤتی بالدنیا یوم القیامۃ فی صورۃ عجوز
شمطاء الحدیث اور فتن آنے والوں کا بارش کی بوندوں کی شکل
میں دیکھنا فانی لاری مواقع الفتن خلال بیوتکم کمواقع
القطر۔ اور لیلۃ الاسراء میں چار انہار کا دیکھنا فاذا اربعۃ انہار
نہران باطنان ونہران ظاہران الحدیث۔ اور صلوۃ الکسوف
میں جنۃ اور نار کا جدار قبلہ سے ورے دیکھنا۔ صورت الجنۃ و
النار فی لفظ بینی وبین جدار القبلۃ الحدیث۔
اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اتنی بڑی جنت اور نار باجسام معلومۃ عند العامۃ

اتنی تھوڑی جگہ میں آ نہیں سکتے یعنی یہ بداہتہ عقل کے خلاف ہے اور سارق الحج اور امراۃ رابطہ ہرۃ اور زانیہ عورت جس نے کتے کو پانی پلایا تھا ان سب کا دیکھنا۔ الغرض یہ سب واقعات اسی پر منطبق کئے اور روح کا جسم کی شکل میں بن کر نظر آنا تو اہل اسلام کے نزدیک قطعاً بعید نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل میں چلتی پھرتی اور باتیں کرتی نظر آئے حضرت یوسف علیہ السلام کی روح یوسف علیہ السلام کی شکل میں، ہارون علیہ السلام کی ہارون علیہ السلام کی شکل میں، یونس علیہ السلام کی یونس علیہ السلام کی شکل میں، موسیٰ علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کی شکل میں نمازیں پڑھتے اور کبھی اونٹ پر سوار لبیک کہتے ہوئے حج کو جاتی اور کبھی چھٹے آسمان پر باتیں کرتی نظر آجائے تو محققین اہل اسلام یہی تو کہتے ہیں اور یہی ان غوامض اور اسرار کا محققین کے نزدیک حل ہے۔ قال الشیخ الاکبر فی الفصوص الروح یتشکل باشکال مختلفۃ (عرف شذی صفحہ)

اور مزید برآں اہل اسلام کے نزدیک تو روح سے ہی جسم لطیف ہر ذی ذلک الروح کی شکل پر زید کا زید کی شکل پر، عمرو کا عمرو کی شکل پر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت ابراہیمؑ کی شکل پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل پر۔ واما الروح فعند اہل الاسلام جسم لطیف علی شکل کل ذی ذلک الروح واجمعوا علی ھذا ای جسمیۃ الروح بما ورد فی الاحادیث

کما فی حدیث البراء بن عازب فینتزعها کما ینتزع السفود من الصوف المبلول اخرجہ احمد فی مسندہ الی ان قال واحادیث اخر دالۃ علی جسمیۃ الروح ونقل قاضی زادہ فی تہافت الفلاسفۃ ان الغزالی قائل بتجرد الروح وکذا نسب الی قاضی ابی زید الدبوسی الحنفی فاقول اولا ان خلافہ فیھا لا یکفی فانا نتمسک بنصوص الشرعیۃ من القرآن والحدیث الخ (عرف شذی صفحہ)

اور امام الہند نجم الائمۃ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک روح یہی ہوائی بخار لطیف (از قبیلہ جسم لطیف) ہے جو جسم اور بدن میں جاری ساری ہے جیسے ماء الورد ورد میں اور نار فحم میں اور ایک اور روح حقیقی ہے جس کے متعلق حجۃ اللہ البالغہ ص۱۵ میں فرماتے ہیں بل الروح فی الحقیقۃ حقیقۃ فردانیۃ ونقطۃ نورانیۃ یجل طورھا عن طور ھذہ الاطوار المتغیرۃ المتغایرۃ التی بعضها جواھر وبعضھا اعراض وھی مع الصغیر کما ھی مع الکبیر ومع الاسود کما ھی مع الابیض الی غیر ذلک من التقابلات ولھا تعلق خاص بالروح الھوائی اولاً وبالبدن ثانیاً من حیث ان البدن مطیۃ النسمۃ (ای الروح الھوائی) یہاں تک کہ فرماتے ہیں قد تحقق عندنا بالوجدان الصحیح ان الموت انفکاک النسمۃ عن البدن لفقد استعداد البدن لتولیدھا لا

انفکاک الروح القدسی عن النسمۃ - اور پھر آگے چل کر فرماتے ہیں: - واذا مات الانسان کان للنسمۃ نشأۃ اخری فینشئ فیض الروح الالٰہی فیہا قوۃ فیما بقی من الحس المشترک تکفی کفایۃ السمع والبصر والکلام بمدد من عالم المثال اعنی القوۃ المتوسطۃ بین المجرد والمحسوس المنبثۃ فی الافلاک کشیٔ واحد وربما تستحد النسمۃ حینئذٍ للباس نورانی او ظلمانی بمدد من عالم المثال ومن ھنالک تتولد عجائب عالم البرزخ (انتھی الی موضع الضرورۃ)

اب ساری عبارت کو غور سے دیکھئے کیا فرماتے ہیں۔ ۱ ایک روح ہوائی ہے بخار لطیف بدن میں جاری ساری جسم لطیف کے قبیلہ سے ۲ دوسری روح حقیقی حقیقۃ نورانیۃ فردانیۃ اطوار متغیرۃ متغایرۃ سے بالاتر ۳ پھر اس روح حقیقی کا روح ہوائی سے تعلق بالذات اور بدن سے بالواسطہ ۴ موت کی حقیقت کیا ہے روح ہوائی کا بدن سے جدا ہو جانا نہ روح حقیقی کا روح ہوائی سے جدا ہونا ۵ موت کے بعد جب کہ روح ہوائی بدن سے کلیتہ جدا ہو جاتی ہے تو روح حقیقی کا فیض اس روح ہوائی کی بقیہ حس مشترک میں ایک گونہ قوت پیدا کر دیتا ہے جو عالم مثال کی مدد سے سمع بصر اور کلام کا کام

دیتی ہے ۶ اور کبھی وہ روح ہوائی عالم مثال کی مدد سے لباس نورانی یا ظلمانی پہن لیتی ہے - اور اس سے عالم برزخ کے عجائب پیدا ہوتے ہیں اور صفحہ ۲۷ ج ۱ میں فرماتے ہیں - ورأیت طائفۃ من اہل اللہ (یعنی بعد موتہم لان الکلام فی اختلاف احوال الناس فی البرزخ) صارت نفوسہم بمنزلۃ الجواہر المتلألئۃ کالاشعۃ الزجاج تضربہا ضوء الشمس فی الہاجرۃ فصارت بمنزلۃ قطعۃ من النور وذلک النور اما نور الاعمال المرضیۃ او نور اولیاء او نور الرحمۃ -

اب اس عبارۃ کو غور سے دیکھئے یہ سارا قصہ نفوس اور ارواح کا بنا رہے ہیں یا اجسام اور ابدان کا اور صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں:

وربما اشتاق بعضہم الی بعض النفوس والارواح الی صورۃ جسدیۃ اشتیاقا شدیدا ناشئا من اصل جبلتہ ففرع ذلک بابا من المثال واختلطت قوۃ منہ بالنسمۃ الہوائیۃ وصار کالجسد النورانی -

دیکھئے، سوچئے غور فرمائیے تامل اور تدبر سے کام لیجئے۔ کیا امام الہند[۱] اموات کا بعد الموت اپنے اجسام اور اشکال سے دکھائی دینا اور چلتے پھرتے نظر آنا باتیں کرنا، نماز پڑھنا اور حج کرنا انہیں اجسام عنصریہ سے فرما رہے ہیں۔ جو قبور میں مدفون ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اسی جسم عنصری سے قبر میں

[۱] نہیں یہ سب ارواح سے بنا رہے ہیں - ۱۲ منہ

تمانہ بڑھ رہے تھے۔ اونٹ پر سوار لبیک کہتے ہوئے حج کو جا رہے
اور پھر اسی جسم عنصری سے چھٹے آسمان پر بھی موجود تھے اور اگر اسی جسم عنصری
سے چھٹے آسمان پر تھے تو پھر اس وقت قبر خالی چھوڑ گئے تھے یا قبر میں بھی
تھے اگر دونو جگہ موجود تھے تو یہ ایسی بے ڈھب بات ہے جیسے کوئی کہے کہ انسان
کے سینے میں دو دل ہوتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ما جعل اللہ فی
جوف رجل من قلبین تو حضرات اسی طرح ما جعل اللہ فی قبر
رجل من جسدین فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الغرض امام الہند یہ سلسلہ سوال نسمہ روح ہوائی مفارق از جسد عنصری
متمثل بصورت مثالی و متجسم بجسم مثالی کے بنا رہے ہیں جنہیں بقول امام الہند ان
کا جسم عنصری سے کوئی سروکار نہیں وہ تو ص ۲۸ میں فرماتے ہیں۔ اعلم
ان للارواح البشریۃ حضرۃ تنجذب الیہا انجذاب الحدید
الی المغناطیس وتلک الحضرۃ ھی حظیرۃ القدس محل اجتماع
النفوس المجردۃ عن جلابیب الابدان بالروح الاعظم
الذی وصفہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکثرۃ الوجوہ والالسن
واللغات۔

یہاں اعلیٰ حضرت یہ فرماتے ہیں کہ نفوس قدسیہ بعد الموت ابدان عنصریہ
کو چھوڑ کر حظیرۃ القدس کی طرف اس طرح کھچ کر چلے جاتے ہیں۔ جیسے
لوہا مقناطیس کی طرف آپ کی طرح یہ نہیں فرمایا ہے کہ اجسام عنصریہ کو
جابجا ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ اور ص ۱۵۴/۲ میں فرماتے ہیں۔ واما [illegible]

مع الانبیاء صلوات اللہ علیہم ومفاخرتہ معہم (یعنی
فی لیلۃ الاسراء) فحقیقتہا اجتماعہم من حیث ارتباطہم
بحظیرۃ القدس وظہور ما اختص بہ من بینہم من وجوہ
الکمال انتہی۔ یہ انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھانا ان کے ساتھ ملاقات
کرنا بسبب حظیرۃ القدس کے ساتھ بعد مفارقۃ الاجسام عنصریہ جو ان
کا ارتباط ہے جس کی طرف وہ بعد از خلع جلابیب ابدان اس
طرح کھچ کر چلے جاتے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف۔ اس کی بنا پر
بنا رہے ہیں جہاں جسم عنصری کا کوئی تعلق نہیں۔

الغرض یہ سارا قصہ تو امام الہند اور دوسرے محققین امت
کے لئے چھوڑ دیجیے جو اسے جسم عنصری کے ساتھ قطعاً وابستہ
نہیں کرتے۔ آپ اپنے موقف پر (کہ یہ سارے واقعات ارواح
مع ہذا الاجسام العنصریۃ کے ہیں) کھڑے رہ کر جواب دیجیے وددنہ
خرط القتاد ولا یتیسر لکم الجواب عن ہذا السوال مع
وقوفکم علی موقفکم ہذا الی یوم المعاد وحشر الاجساد
وقیام العباد بین یدی من ہو منزہ عن الاضداد
والانداد۔ اور یہ جواب تو آپ کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ
علیہ کے لئے چھوڑ دینا چاہیے جو جلباب جسم کو وبال اور روح کے
اس سے نکل جانے اور جدا ہو جانے کو کمال قرار دیتے ہوئے یہ تمنا
کرتے ہیں کہ میری روح تن سے جلدی جدا ہو کر مراتب کمال اور

وصال کو پہنچوں۔

چنانچہ حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حصہ ششم دفتر دوم صـ۱۴۰ میں فرماتے ہیں مانا کہ حضرت ملا روم از حبط وہم و قید خیال تم شد اند آرزوئے موت می نماید تا بود کہ مطلوب را عریان از لباس وہم و خیال کنار کشد و در مبادی موت منع عافاک اللہ نمودہ (یعنی مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ منع فرمودہ کہ کسے در حق وے در موطن موت عافاک اللہ بگوید) میفرماید بیت۔

من شوم عریاں زتن او از خیال تا خرامم در نہایات الوصال

انتہی یعنی حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری دنیا کی حیاتی لمبی ہونے کے لئے اور میری موت دیر تک مؤخر ہونے کے لئے مجھے کوئی آدمی عافاک اللہ من الموت کی دعا نہ کرے۔ اس لئے میری آرزو یہ ہے کہ میری موت جلدی آئے اور میری روح اس بدنی قفس عنصری سے جلدی نکلے کہ میں اس قفس عنصری کے ہوتے ہوئے اپنے کمال اور نہایۃ الوصال کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ میری روح کی تن سے رہائی اور جلدی ہو کہ میں اپنے کمال اور نہایۃ الوصال کو پہنچوں۔ تو جناب والا یہ وسعت اور انبساط روح فی البرزخ کا جواب دینا تو ان لوگوں کو زیبا ہے آپ کو جو بار بار حیوۃ دنیویہ ثابت کرنے کے لئے ارواح طیبین کو اجسام عنصریہ سے وابستہ و مربوط بلکہ ان میں محبوس کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا بلغیر روح مع الجسد

کے ہو ہی نہیں سکتا۔ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقی۔ اور یہ جواب دینا تو حضرت امام مجدد عـہ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو زیبا ہے جو زوال اثر تعین جسدی از تعین روحی کو عروج بدرجہ نہایت الکمال قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بیانش آنست کہ دو طوق عبودیت عبارت از دو حلقہ میم است کہ در اسم مبارک محمد اندراج یافتہ است تواند بود کہ آن دو طوق اشارت بدو تعین او باشد علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام یکے ازاں دو تعین جسدی بشری است دوم روحی ملکی و در تعین جسدی ہر چند بواسطہ عروض موت فتور رفتہ بود و تعین روحی قوت گرفتہ اما اثر آں تعین باقی ماندہ بود ہزار سال بایست تا اثر نیز زائل شود و نشانے از ان تعین نماند۔ انتہی۔

(کنز الہدایہ صـ۱۱۴)

اور یہ جواب تو صاحب فتح الملہم مولانا عثمانی نور اللہ مرقدہ اور حافظ ابن حجر قرطبی اور ابن المنیر وغیرہم کو دینا مناسب ہے جو ان واقعات کو حقیقت پر حمل کرتے ہوئے پھر بھی اس کی توجیہ روح متمثل بصورۃ الجسم سے کرتے ہیں اور اجسام عنصریہ کو علیحدہ اپنی قبور میں فرد کش قرار دیتے ہیں چنانچہ فتح الملہم صـ۳۳۳ ج۱ میں ارشاد ہے قال الحافظ وقد اختلف اہل

عـہ اور حضرت امام مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارہ میں واضح مسلک معلوم کرنے کے لئے اس کتاب کے آخری اوراق ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ منہ

التحقیق فی معنی قوله کانی انظر الی موسیٰ اذ انحدر فی الوادی) علی وجوہ الاول ھو علی الحقیقة والانبیاء احیاء عند ربھم یرزقون فلا مانع ان یحجوا فی ھذا الحال کما ثبت فی صحیح مسلم من حدیث انس انه صلی الله علیه وسلم رای موسیٰ قائماً فی قبرہ یصلی قال القرطبی حببت الیھم العبادة فھم یتعبدون بما یجدون من دواعی انفسھم لا بما یلزمون به کما یلھم اھل الجنة الذکر ویؤیدہ ان عمل الآخرة ذکر ودعاء لقوله تعالیٰ دعواھم فیھا سبحانک اللھم الآیة لکن تمام ھذا التوجیه ان یقال ان المنظور الیه ھی ارواحھم فلعلھا مثلت له صلی الله علیه وسلم فی الدنیا کما مثلت له لیلة الاسراء واما اجسادھم فھی فی القبور قال ابن المنیر وغیرہ یجعل الله لروحه مثالا فیریٰ فی الیقظة کما یریٰ فی النوم انتھی۔

دیکھا ان سب حضرات نے اجسام عنصریہ کو قبور میں فرو کش قرار دے کر یہ واقعات ارواح طیبین متمثل بصورة الاجسام کے بنائے آپ کی طرح اجسام عنصریہ کو ساتھ نہیں لئے پھرتے اور یہ جواب تو بجز امۂ مرحومہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دے سکتے۔ جن کی تحقیق کو آپ نے بالائے طاق رکھ دیا جو تحفہ اثنا عشریہ ص۲۹۱ میں فرماتے ہیں۔ در قبر احیاء و اماتۃ حقیقۃ نیست بسبب انعکاس روح بر بدن تعلقی پیدا

میشود کہ تغذیہ و تنمیہ ہمراہ آں نمے باشد تا معنی حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہ است بتعلق عاشق بمعشوق یا مالک بمملوک یا صاحب خانہ بخانہ کہ آلت تعذیب و تنعیم مے تواند شد و ایں ہم در صورتے است کہ آں بدن قائم باشد و مدفون والا عذاب و نعمت روح را است کہ نفس مجرد است و بدن حقیقی او روح ہوائی است و روح ہوائی را تعلیق مے کنند بہ بدنے دیگر از عالم مثال یا مرکب از اجزائے جمادات بہیئتے و شکلے کہ بینندہ را امتیاز در آں بدن و بدن دنیاوی حاصل نشود انتہی۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ قبر میں جلانا اور مارنا حقیقی نہیں ہوتا۔ صرف اتنی بات ہے کہ اگر بدن قائم اور مدفون ہے تو روح کا (جو بدن سے جدا ہے) بدن سے ایسا تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے جیسا عاشق کا معشوق سے یا مالک کا مملوک سے یا صاحب خانہ کا خانہ سے کہ وہ تعلق تعذیب و تنعیم کا آلہ بن سکتا ہے ورنہ عذاب و نعمت روح مجرد کو ہوتا ہے جس کا بدن (یہ بدن عنصری نہیں بلکہ) روح ہوائی ہے اور روح ہوائی کو ایک اور بدن سے جوڑ دیتے ہیں جو عالم مثال سے ہے یا اجزاء جمادات سے اس جسم عنصری کی شکل اور ہیئۃ پر اس طرح ترکیب پاتا ہے کہ دیکھنے والے کو ان دونوں میں امتیاز نہیں ہو سکتا اور ص۹۳ ۴ میں فرماتے ہیں۔ پس حال ارواح در عالم قبر مثل حال ملائکہ است کہ بتوسط شکلے و بدنے کار میکنند و مصدر افعالے حیوانی و نفسانی میگردند بے آنکہ نفس نباتی ہمراہ داشتہ باشند انتہی تو حضرت شاہ عبد العزیز مرحوم کے

نزدیک تو نفس نباتی بھی ساتھ نہیں ہوتا اور آپ جسم عنصری کو بھی
جا بجا ساتھ لئے پھرتے ہیں ع

ببیں تفاوت راہ از کجا تا بکجاست

اور جو کچھ آپ نے اختیار کیا ہے کہ اسی جسم عنصری کے ساتھ قبر
میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتے ہیں اور اسی جسم عنصری کے ساتھ حج کو جاتے
ہیں بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، صفا و مروہ میں سعی کرتے ہیں
عرفات اور مزدلفہ میں جاتے ہیں حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ
نے اسے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے خلاف قرار دیتے ہوئے
بعض روافض کا عقیدہ لکھا ہے۔

چنانچہ آپ ص۹۷ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد شمار کرتے
ہوئے فرماتے ہیں، عقیدہ ششم آں کہ اموات را قبل از قیامت رجعت
نیست در دنیا امامیہ قاطبۃ وبعضے فرق دیگر ہم از روافض برجعت بعضے
اموات قائل اند اور ص۹۸ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے اس عقیدہ
عدم رجعت پر دلیل پیش کرتے ہیں قول باری تعالیٰ ومن ورائہم
برزخ الی یوم یبعثون۔ حاصل یہ کہ علماء محققین بعد الموت
قبر میں اس حیوٰۃ کے قائل نہیں جو آپ نے سمجھی ہے اور جس پر
آپ مصر ہیں۔ وہ حیوٰۃ دنیویہ ہے، نہ اس میں اعادہ روح علی
وجہ الکمال ہے نہ یہ قبروں سے قرآن کریم پڑھنے کی آواز کبھی کبھار
علی وجہ الکرامۃ جو سنائی دیتی ہے یہ تلاوت ہے اس جسم عنصری کی

بہذا اللسان، بلکہ وہ حیوٰۃ تو روح کے بدن کے ساتھ تعلق بوجہ ما کا
نام ہے نہ دخول روح فی الجسد کا شرح عقائد نسفی ص۷۶ میں علامہ تفتازانی
فرماتے ہیں یجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء او فی
بعضہا نوعا من الحیوٰۃ قدر ما یدرک الم العذاب او لذۃ
التنعیم وهذا لا یستلزم اعادۃ الروح الی بدنہ ولا ان
یتحرک ویضطرب یعنی یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع اجزاء مردہ یا
بعض اجزاء میں ایک گونہ اتنا قدر حیوٰۃ پیدا کر دے کہ جس سے وہ عذاب
کا درد اور نعمتوں کی لذت پا سکے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس
کی روح بدن کی طرف لوٹائی جائے اور نہ یہ کہ وہ ہلے جلے۔

اور فاضل سیالکوٹی حاشیہ خیالی ص۱۱۸ میں فرماتے ہیں۔

ولا یخفی علیک ان لیس المراد بالحی ههنا ما یحل فیہ
الروح ویصدر عنہ الافعال الاختیاریۃ بل ما یدرک
الالم واللذۃ۔ اور نہیں پوشیدہ تجھ پر کہ زندہ سے مراد یہاں وہ
نہیں جس میں روح لوٹائی جائے اور اس سے افعال اختیاریہ صادر
ہوں بلکہ مراد وہ ہے کہ دکھ درد اور لذت کو پا سکے۔ اور کبھی یہ
حضرات اس حیات کے لئے حضرت سعید بن المسیب کا قول پیش
کرتے ہیں جو بتصریح حافظ عماد الدین ابن کثیر حضرت سعید بن المسیب
کا قول ہے حدیث مرفوع نہیں اور وہ یہ کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی امۃ کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے

ہوں۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ نہ یہ قرآن کریم کی آیت ہے نہ حدیث مرفوع نہ موقوف بلکہ ایک بزرگ تابعی کا قول مقطوع ہے پھر اگر یہ اس سے اعلیٰ وارفع، اقویٰ اور برتر و بالاتر دلائل سے متعارض نہ ہو تو قبول کریں گے ورنہ کسی صحیح تاویل پر محمول کریں گے ورنہ ترک اور یہی انصاف کا تقاضا ہے ورنہ کیا آپ یہ فتویٰ دے سکتے ہیں کہ اس سے قوی اور راجح دلیل سے تعارض کی صورت میں بھی اس راجح اعلیٰ اور قوی کو ترک کر کے اسے لیا جائے۔

جہاں تک اصول حدیث و فقہ بلکہ عقل سلیم کا بھی تقاضا ہے ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں سو مشکوٰۃ المصابیح ص۴۸۶ میں ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یدنی المؤمن فیضع علیہ کنفہ ویسترہ فیقول اتعرف ذنب کذا اتعرف ذنب کذا فیقول نعم ای رب حتی قررہ بذنوبہ ورای فی نفسہ انہ قد ھلک قال سترتھا علیک فی الدنیا وانا اغفرھا لک الیوم الحدیث۔ اللہ تعالیٰ مؤمن کو قریب کرے گا پس اس پر اپنا حفظ رکھے گا اور اس کو (اہل محشر سے) پردہ کرے گا (کہ ان کے سامنے رسوا نہ ہو) پس فرمائے گا۔ کیا تو اپنا فلاں فلاں گناہ پہچانتا ہے وہ جواب دے گا ہاں اے میرے پروردگار یہاں تک کہ اللہ اس سے اس کے سب گناہوں کا اقرار کرا دے گا۔ اور وہ مؤمن اپنے جی میں یہ دیکھے گا

کہ تحقیق وہ (ان گناہوں کے سبب) اب ہلاک ہوا چاہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے ان سب گناہوں پر تیرے واسطے پردہ ڈال رکھا تھا دنیا میں (کہ تو رسوا نہ ہو) اور آج کے دن ان سب گناہوں کو تیرے واسطے بخش دیتا ہوں۔

اب آپ انصاف کریں کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میں نے ان سب گناہوں کو چھپا رکھا تھا کہ مومن رسوا نہ ہو اور روز محشر بھی اہل محشر سے پردہ میں یہ بات چیت ہوگی کہ مومن اہل محشر کے سامنے رسوا نہ ہو اور سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ روزانہ صبح و شام سب کے اعمال خیر و شر جن میں زنا شراب نوشی رشوت ستانی، قتل، چوری وغیرہ سب داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور روزانہ دو دفعہ امت مرحومہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رسوائی ہوتی ہے اور مشکوٰۃ المصابیح ص۴۱۳ میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی معافی الا المجاھرون وان من المجانۃ ان یعمل الرجل باللیل عملا ثم یصبح وقد سترہ اللہ فیقول یا فلان عملت البارحۃ کذا وکذا وقد بات یسترہ ربہ ویصبح یکشف ستر اللہ عنہ (متفق علیہ)

۱ انصاف کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں وقد سترہ اللہ (اللہ تعالیٰ نے اس کے عیب کو چھپا دیا) اور فرما رہے ہیں وقد

بات بستره پر بتائی اور رات گذاری اس نے کہ اس کا رب تعالیٰ
اس کے عیب ڈھانک رہا تھا) اور حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے
ہیں کہ صبح و شام امتِ مرحومہ کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے
جاتے ہیں۔ تو کیا سعید بن المسیبؒ کے اس قول کو لے کر حدیث مرفوع صحیح متفق علیہ
کو چھوڑ دیں یا اس حدیث کی کوئی تاویل کریں کہ حدیث صحیح متفق علیہ مصروف
عن الظاہر اور مؤول ہو تو ہوتی رہے اس میں کیا مضائقہ حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پھر جائے تو پھر جائے مگر سعید بن المسیبؒ کا قول علی حالہ
محمول علی الظاہر رہے اور مشکوٰۃ المصابیح ص۴۷۹ میں ہے۔ لیردن علی
اقوام اعرفہم و یعرفونی ثم یحال بینی و بینہم فاقول
انہم منی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقا
سحقا لمن غیر بعدی متفق علیہ اور جمع الفوائد ص۳۰۲ ج۲ میں ایک
حدیث کی بعض روایتوں میں ہے۔ فیقول انہ لا علم لک بما
احدثوا بعدک اور بعض روایتوں میں ہے وہل تدری ما احدثوا
بعدک۔

اب حدیث صحیح متفق علیہ میں ارشاد ہے انک لا تدری ما
احدثوا بعدک تجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے تیرے پیچھے کیا بنایا تھا
(یعنی مرتد ہو گئے تھے) کیا اس ارشاد کے ہوتے ہوئے کوئی صاحب
دیانت، عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کہ امت کے اعمال روزانہ صبح و شام آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں کیا ان کا یہ ارتداد بھی کسی صبح

یا شام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا تھا یا نہیں اگر پیش کیا گیا
تھا تو انک لا تدری اور انہ لا علم لک۔ اور ہل تدری ما
احدثوا بعدک کا کیا معنی اور اگر نہیں پیش کیا گیا تو آپ اپنا قول واپس
لیں اور توبہ کریں ان احادیث رسول کا مذاق اڑانے سے۔ قیامت آنے
والی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں پیش ہونا ہے پھر اگر سٹیج پر جلوہ نمائی
اور بیان آرائی کرنے والے لیڈر قسم کے مولوی ایسا کریں تو چنداں تعجب نہیں
اس لئے کہ ذلک مبلغہم من العلم۔ مگر دکھ تو اس سے ہوتا ہے
اور ہونا بھی چاہیئے کہ بڑے بڑے مشائخ الحدیث و اصحاب اہتمام دیار
العلوم پاکستان بھی ایسا ہی کرتے ہیں ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا ست — کار طفلاں تمام خواہد شد

پھر اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ عرض اعمال ہوتا ہے تو اسے دنیوی
زندگی سے کیا تعلق اور کیا نسبت۔ کیا عرض اعمال ملزوم اور دنیوی
زندگی اس کا لازم ہے کہ اذا وجد ہذا وجد ذالک و اذا تحقق
ذالک۔ فرمائیے یہاں کونسا لزوم ہے ذہنی، خارجی، بین بالمعنی الاخص
غیر بین بالمعنی الاخص بین بالمعنی الاعم غیر بالمعنی الاعم عرض اعمال کے
لئے حیوٰۃ دنیوی لازم ماہیتہ ہے لازم وجود خارجی ہے لازم وجود ذہنی
ہے اور یہ کہاں سے ضروری ہے کہ بالفرض عرض اعمال ہو۔ تو حیات
دنیوی بھی عود کر آئے کیا قیامت کے دن ہر فرد بشر پر اس کے اعمال
کا عرض نہیں ہوگا۔ ینبؤا الانسان یومئذ بما قدم و اخر۔ ج

لہ یوم القیمۃ کتابا یلقاہ منشورا۔

کیا دہاں ہر فرد بشر کی حیات دنیوی عود کر آئے گی یا اخروی ہوگی۔

کا یہاں استدلال ایسا ہی ہے جیسا یہ انك میت و انہم میتون

کریم کی نص قطعی جو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور ممات پر بانص

دال ہے، ہیر پھیر کر کے جواب دیتے ہیں اور سٹیج پر کھڑے ہو کر بڑے نا

نخرہ سے فرماتے ہیں، بھائیو! مَیِّتٌ معطوف علیہ ہے اور مَیِّتُون

پر معطوف ہے، اور معطوف، معطوف علیہ میں تغایر ضروری ہے لہٰذا مَیِّتٌ

موت کا اور قسم مراد ہے اور مَیِّتُونَ سے اور سبحان اللہ نحو ہو تو ایسی

جس نے خلیل بن احمد سیبویہ، اخفش، مبرد، زجاج، ابن جنی، زمخشری

شیخ عبد القاہر اور مبرد کی کمر توڑ دی، ایک نحو میر اور ہدایۃ النحو پڑھا

طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہاں میتون کا میت پر عطف مفرد علی المفرد

نہیں بلکہ انہم میتون ایسے پورے جملہ کا انك میت پورے جملے پر عطف

اور جب جملہ کا جملہ پر عطف ہے تو ان کے تغایر کے لئے مسند الیہ کا تغایر

ایک جملے میں مسند الیہ انك کا کاف خطاب ہے، اور دوسرے جملے میں

کا ہم ضمیر غائب ہے۔ کافی نہیں کہ ان بیچاروں کو تغایر بتلانے کے لئے

کے معنی میں ہیر پھیر کرنا پڑا۔ اور یہ بتلا کر امۃ مرحومہ پر عموماً اور نحاۃ

خلیل بن احمد، سیبویہ۔ زمخشری وغیرہم پر خصوصاً احسان کیا ورنہ

تو یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ جیسے غدو دھا شہر و رواحہا شہر میں تغایر فی

سی کافی ہے اور اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول میں تغایر فی

علی المفعولین المتغایرین ہی کافی ہے اور جیسے فانی و قیاربہا لغریب (جس کی

تقدیر فانی بہا لغریب و قیار بہا لغریب ہے) میں تغایر فی المسند الیہ کافی ہے

اور جیسے اسکن انت و زوجك الجنۃ میں (جس کی تقدیر اسکن انت و لتسکن

زوجك الجنۃ ہے ورنہ لازم آئے گا کہ امر حاضر کا فاعل زوجك اسم ظاہر ہو

حالانکہ بقول نحاۃ اس کا فاعل واجب الاستتار ہوتا ہے الا ان یقال یجوز

فی المعطوف ما لا یجوز فی المعطوف علیہ کما قیل فی رب شاۃ وسخلتہا

علی احد التوجیہات) تغایر فی المسند الیہ ہی کافی و وافی ہے۔ ان میں تغایر

ثابت کرنے کے لئے شہر۔ اطیعوا۔ غریب اسکن کے معانی میں ہیر پھیر کرنے

کی ثابت نہیں اور کبھی کبھی یہ لوگ موت کے معنی میں ہیر پھیر کرنا میت اور میتون

کے تکرار کا نتیجہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تکرار تنوع موت کے لئے ہے ورنہ تکرار

کی ضرورت نہ تھی سبحان اللہ۔ وہ پہلا معطوف، معطوف علیہ کا قصہ

کر کے تو صرف جماعت نحاۃ کو مات دی۔ اور اگر وہ ان کے ہاتھوں مارے

بھی جاتے تو کوئی بات نہیں تھی۔ نحاۃ کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی اگر وہ

ان کے سیلاب کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہ جاتی تو تعجب نہیں تھا۔ اس

لئے کہ ایسا عموماً ہوتا ہی رہتا ہے کہ قلت، کثرت سے مغلوب ہوتی ہے مگر

اس تنوع موت کو اس تکرار کا نتیجہ قرار دے کر تو کسی اہل لسان چھوٹے

بڑے، پڑھے ان پڑھ، شہری، دیہاتی اعرابی، بدوی کو نہیں چھوڑا

سب کو مات دے دی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اہل لسان تو یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں دو افراد

کا تنازعہ ہو اور تیسرا اصلاح ذات البین کے لئے بولے وہاں تکرار
عام محاورہ ہے۔ اور کلام ہی تکرار مسند کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور اس تکرار
سے اس کا تنوع اور اختلاف فی المعانی بتلانا قطعاً مقصود نہیں ہوتا۔ ریل کے
ڈبہ میں دو مسافر لڑ پڑتے ہیں تیسرا اصلح کرانے والا کہتا ہے میاں تم بھی مسافر ہو
بھی مسافر ہے، دو طالب علم مدرسہ میں لڑ پڑتے ہیں۔ استاد کہتا ہے تم بھی طالب علم
ہو، وہ بھی طالب علم ہے۔ دو سپاہی آپس میں جھگڑتے ہیں افسر کہتا ہے تم بھی
سپاہی ہو وہ بھی سپاہی ہے، تم بھی ملازم ہو وہ بھی ملازم ہے، اسی طرح
مہاجروں کے تنازعہ میں کہا جائے کہ تم بھی مہاجر ہو وہ بھی مہاجر اور دو بنک کے
ذمہ داروں میں جب وہ حفاظت میں کاہلی کریں اور کوئی چیز ضائع ہو جائے
اور کہا جائے کہ تم بھی ذمہ دار ہو وہ بھی ذمہ دار ہے وعلی ہذا القیاس لا مثال
شتی اور آج تک کسی صاحب لسان نے اس تکرار سے اختلاف نوع یا
اختلاف صنف کی طرف اشارہ کرنا نہیں سمجھا۔ پھر اس طرح کی بودی
اور بھدی باتیں تو بریلویوں کے سٹیج کی زینت تھیں اور وہ بھی چند برس پہلے
ورنہ اب تو وہ اور اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے ہیں۔ اب آپ کو ان
کے آغاز تک رسائی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے اور ہمیں بھی کہ اپنے
اسلاف کے احسن طریق استدلال بالکتاب السنۃ کو ترک نہ کریں ورنہ اس
ابتدا کی انتہا وہی خطرناک حالت ہے جس کا تماشا آپ بریلویوں میں دیکھ
رہے ہیں۔ خدا کرے بقولِ شاعر یہ قصہ پیش نہ آئے ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جس جماعت نے بھی اس احسن طریق استدلال
بالکتاب والسنۃ کو چھوڑا وہ ایسی خاردار وادیوں میں بھٹکتی ہوئی کہ صدیوں
تک اسے اپنے آپ کو سنبھلنے کی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ کبھی نص صریح کے مقابلہ میں
قیاس کرنا کبھی مورد نص میں قیاس کرنا۔ کبھی بغیر دلیل کے عام کی تخصیص کرنا کبھی
لغت میں قیاس کرنا۔ کبھی نص شرعی کے ہوتے ہوئے حکم کو اس سے کاٹ کر علت
عقلیہ کی طرف منسوب کرنا کبھی نص قرآن کو خبر واحد کے مقابلہ میں چھوڑ دینا۔
کبھی علۃ منصوصہ کو چھوڑ کر غیر منصوصہ کو علۃ قرار دینا الی غیر ذلک ان کا
شیوہ رہا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

پھر گذارش یہ ہے کہ کل من علیہا فان کی کیا توجیہ کریں گے۔ یہاں تو
اولیاء صلحاء اور انبیاء علیہم السلام سب ایک فان میں درج ہیں اور کل
نفس ذائقۃ الموت" میں ایک موضوع نفس اور ایک محمول ذائقۃ الموت
میں سب درج ہیں اور کیا وھو الذی احیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم
کا خطاب عام ہے یا انبیاء علیہم السلام کی اس میں سے تخصیص کر لی گئی ہے
اگر تخصیص ہے تو کس دلیل سے اور اگر عام ہے تو پھر سب ایک خطاب میں
شامل ہیں جس پر میت واقع ہے پھر وہ آپ کی تنوع موت کی منطق کہاں
گئی اور اسی طرح ثم انکم بعد ذالک لمیتون میں آپ اپنی منطق
کس طرح جاری کریں گے یہاں بھی ضمیر کم ایک موضوع اور لمیتون ایک محمول
سب کو شامل ہے والذی یمیتنی ثم یحیین ابراہیم علیہ السلام کے
خصوصی کلام کو کہاں رکھیں گے کل شیء ھالک الا وجہہ کا کیا بنائیں

گے ؎

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء ؎ تروح الی العطار تبغی شبابھا
ولن یصلح العطار ما افسدہ الدھر

پھر جب کتب لغۃ سے تنوع موت ثابت نہیں اور سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ تو کیا آپ قیاس فی اللغۃ کریں گے اور قیاس سے لغۃ ثابت کریں گے۔ نور الانوار حسامی، توضیح تلویح مسلم الثبوت، فواتح الرحموت تحریر الاصول دیکھ کر اس کا جواب دیں پھر یہ بتائیں کہ حمل نصوص علی المعانی میں اہل السنۃ اور شیعہ کا کیا اختلاف ہے اور اہل السنۃ کا اس میں کیا مسلک ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز نور اللہ مرقدہ تحفہ اثنا عشریہ ص۲۹۵ میں فرماتے ہیں۔ عقیدہ چہارم (اہل السنۃ کے عقائد میں سے) آنکہ آنچہ در قرآن و احادیث وارد شدہ است از سوال و حساب و وزن اعمال و دادن نامہا ہمہ بر ظاہر است نا مؤول بمعانی دیگر نیست اور آگے چل کر فرماتے ہیں۔ و ہمیں است مذہب اہل السنۃ و اکثر فرق روافض مثل زیدیہ و اسماعیلیہ ایں چیزہا را انکار کنند و تاویل نمایند۔ تو بتلائیے جب عقیدہ اہل السنۃ انک میت و انہم میتون کل نفس ذائقۃ الموت وغیر ذالک من الآیات سب معانی ظاہر متبادرہ پر محمول ہونی چاہئیں یا غیر ظاہر پر۔ یہ تنوع موت کس لغۃ میں متعارف ہے علامہ عبد العزیز پرہاروی اپنی کتاب الصمصام فی اصول تفسیر القرآن ص۱۴ میں فرماتے ہیں قال السید السند قدس سرہ فی شرح الکشاف علم التفسیر علم یبحث فیہ عن احوال کلام اللہ المجید

من حیث دلالتہ علی مرادہ وینقسم الی تفسیر وھو ما لا یدرک الا بالنقل کاسباب النزول والقصص فھو ما یتعلق بالروایۃ والی تاویل وھو ما یمکن ادراکہ بقواعد عربیۃ فھو ما یتعلق بالدرایۃ فالقول فی الاول بلا نقل خطأ وکذا القول فی الثانی بمجرد التشھی ان اصاب فھما واما استنباط المعانی علی قوانین اللغۃ فمما یعد فضلا وکمالا تو سید سند قدس سرہ نے کیسی وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ استنباط معانی حسب قواعد لغۃ فضیلت اور کمال ہے نہ یہ کہ لغۃ میں ایک چیز کا نام و نشان تک نہیں ملتا اور آپ سٹیج پر کھڑے ہو کر معطوف معطوف علیہ کے جھگڑے (اور وہ بھی غلط جیسا اوپر گذر چکا ہے۔ کہ یہاں عطف مفرد علی المفرد ہے ہی نہیں بلکہ عطف جملہ علی الجملہ ہے اور ان میں تغایر کے لئے تغایر مسند الیہ وافی کافی ہے) بنا کر موت کے انواع بنانا شروع کر دیں اور علامہ مذکور اسی کتاب کے ص۱۸ میں لکھتے ہیں۔

قال الامام الزرکشی رحمہ اللہ فالذی یعرفہ العرب فھو اللغۃ الخ لغۃ کا مدار معرفت عرب کو بنایا اور عرب میں سے کوئی بھی موت کے معنی سوائے انفکاک روح عن الجسد کے نہیں جانتا اور نہ کسی نے انقباض الروح فی القلب انحیاز الروح فی القلب موت کا معنی پہچانا۔ ہاں مشرکین و جہلاء عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ موت کے بعد کبھی اعادہ نہیں ہوگا۔ سینہ زوری سے بات نہیں چلتی دلائل سے کریں اور امام زرکشی آگے چل کر

فرماتے ہیں وکل لفظ افاد معنیً واحداً جلیا یعلم انہ مراد اللہ تعالیٰ فھذا القسم لا یلتبس تاویلہ ۔ اور جو لفظ صرف ایک ہی واضح معنے کا فائدہ دے جس کے متعلق علم ہو جائے کہ وہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے سو اس کی تاویل کسی پر ملتبس نہیں بتلائی ۔

لفظ موت کا ایک معنی واضح جلی نہیں جسے ہر اہل اللسان جانتا ہے اور علامہ؏ موصوف اسی کتاب کے صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں ۔ ذکر القاری فی شرح المشکوٰۃ علی حدیث ابن عباس برایہ ای من تلقاء نفسہ من غیر تتبع اقوال الائمۃ من اھل اللغۃ العربیۃ ۔ "تفسیر بالرائے" یہ ہے کہ ائمہ لغۃ کے اقوال کی تلاش کئے بغیر اپنی ذات کی طرف سے معانی قرآن بیان کئے جائیں ۔

بتلائیے! آپ کو تنوع معنی موت کے لئے کتنے اقوال ائمہ لغۃ کے ملے ۔ بیس، پندرہ، دس، پانچ، دو، چلو ایک ہی سہی ۔ کسی اہل اللغۃ کا ایک قول دکھائیے تنازعہ ختم ہے ۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۵ میں فرماتے ہیں :-

فمنہ ما لا یجوز الکلام فیہ الا بالسماع کاسباب النزول والناسخ والمنسوخ والقصص واللغات ۔ تو علامہ موصوف نے بحوالہ ابن النقیب لغات قرآن کریم میں بغیر نقل اور سماع کے کلام کرنا ناجائز قرار دیا ۔ دیکھا وہی بات نکلی نا جس کا ڈر تھا کہ جو کوئی بھی سلف صالحین کے احسن طریق استدلال بالکتاب السنۃ کو ترک کردے یتیہ فی

عہ عبد العزیز پرہاروی ۔ منہ

فی الارض ولا یجد لہ سبیلا ۔

اب دیکھنا ہے کہ سلف صالحین، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور جمہور امت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حادثہ موت طاری ہونے کا معنی کیا سمجھا وہی معہود معروف بین الناس یا کوئی اور بمعنی انقباض الروح فی القلب یا انحیاز الروح فی القلب ۔ سو قاعدہ مسلمہ یہ ہے کہ جب کوئی متکلم کلام کرے اور قرینہ صارفہ عن الظاہر عن الحقیقۃ قائم نہ کرے تو اسے معنی حقیقی ظاہر متعارف بین الناس پر حمل کیا جائے گا ۔

اور یہ قاعدہ علماء معانی کیا بلکہ ہر اہل اللسان کے نزدیک مسلم ہے اور اسی پر دنیا کا نظامِ لغات چل رہا ہے ۔ اگر یہ نہ رہے تو انہیں علماء کرام کو جو موت کا معنی انقباض، انحیاز الروح فی القلب کر رہے ہیں اور اس کی اشاعت و تبلیغ میں سرشار ہیں ۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اب دیوبندیت کا معیار یہی رہ گیا ہے ۔ اور دیوبندیت کا سارا دار و مدار اسی پہ ہے ۔ خواہ ان کے درس میں دس سال بیٹھنے والا گیارہویں شریف دیتا ہے، تیجی شریف کرتا ہے، چالیسویں شریف کو نہ چھوڑے، نذور لغیر اللہ کھاتا ہے، کھلاتا ہے، قبروں پر سجدے کرتا ہے، ماسوی اللہ کو عالم الغیب حاضر و ناظر فی کل مکان اعتقاد کرتا ہے اور انہیں حاجات میں پکارتا ہے ۔ مشکل کشا، فریاد رس اعتقاد کرتا ہے ۔ بلکہ ہمارے مشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت شیخ الہند محمود الحسن، حضرت مولانا خلیل احمد وغیرہم نور اللہ مراقدہم کو سر بازار مغلظات بکتا ہے ان کی رگ حمیت میں جنبش پیدا

نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی ان کا خون گرم ہوتا ہے اور ہم نے صرف اتنا ہی کہا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لئے بھی حادثہ موت متعارف طاری نہیں ہوا، ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ آپ کا تفرد ہے، جمہور امۃ کے مسلک کے خلاف ہے۔ ہم آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ نہ (خاک بدہنم) آپ کے خلاف یاوہ گوئی کرتے ہیں نہ گستاخی نہ آپ کے ادب احترام کے خلاف کوئی حرکت کرتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ کے زہد و تقویٰ للہیت، خلوص نیت جلالت شان فضیلت علم میں۔ بحمد اللہ ہمیں شک و شبہ ہے۔ آپ کی ذات گرامی تو برتر اور بالاتر ہے۔ ہم تو آج تک ان حضرات کے بھی خدام رہے ہیں جو ہمیں مورد طعن اور ہدف سہام بنا رہے ہیں۔ حضرت تھانوی مرحوم یا کسی اور بزرگ پر اگر کسی مبتدع نے طعن کیا تو ہماری جماعت اپنی بساط کے مطابق مدافعت کرتی رہی۔ اگر کسی اور بزرگ پر کسی کور باطن نے زباں درازی کی تو جوابدہی کی پوری کوشش کی گئی۔

اس مسئلہ میں حضرت نانوتوی مرحوم سے ہمارا اختلاف ایسا ہی ہے جیسا صاحبین کا امام ابوحنیفہ سے پھر اگر امۃ مرحومہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عباس، حضرت عبد اللہ بن الزبیر، حضرت امیر عثمان حضرت امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کے تفردات کا خلاف کر سکتی ہے تو ہم نے حضرت نانوتوی مرحوم کے تفرد کے خلاف حقائق و براہین کا تسلیم و اعتراف کرکے ہم نے کون سا ظلم و معصیت کا ارتکاب کیا ہے؟

رہا تاج الدین سبکیؒ اور شیخ عبد الحقؒ کا معاملہ، تو یہ بھی ضروری نہیں کہ علمائے ماضیین کے ہر قول ہر نظریہ اور ہر ایک جزئی اور ہر ما قال کو تسلیم کر لیا جائے۔ اگر ہمیں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور جمہور علماء مسلمین کے نظریہ کی روشنی میں دیانتہً یہی سمجھ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حیات دنیویہ نہیں بلکہ برزخیہ ہے جو حیات دنیویہ سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع، افضل و برتر اور بالاتر ہے اور اس کے ماتحت ہم سبکیؒ یا شیخ عبد الحقؒ کے نظریہ کو تسلیم نہ کریں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ کیا آپ گذشتہ علماء کرام میں سے ہر ایک عالم کے ہر ایک قول اور نظریہ کو تسلیم ہی کرتے ہیں۔

صاحب ہدایہ نے من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی کو حدیث رسولؐ لکھا ہے، کیا آپ تسلیم کرتے ہیں۔ تفتازانی نے تلویح میں القرآن کلام اللہ غیر مخلوق کو حدیث رسولؐ لکھا ہے کیا آپ اُسے تسلیم کرتے ہیں۔ سلیمان اعمش نے طلوع صبح کے بعد رمضان شریف میں کھانا کھا کر روزہ رکھنا جائز کیا ہے کیا آپ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ سعید بن المسیب نے بغیر وطی زوج ثانی کے تحلیل کا قول کیا ہے۔ کیا آپ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ ابن جریر طبری نے بجائے اسمٰعیل علیہ السلام کے اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا کیا آپ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ تفتازانی نے مختصر المعانی میں جور کیہ علی و حرب معاویہ کی مثال دی ہے۔

؎ اور مزید برآں آگے واضح ہو جائے گا کہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ بھی حیات دنیاوی کے قائل نہیں نہ تمام احکام میں اور نہ بعض احکام میں ۱۲ منہ

کیا آپ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے جو حضرت ابن عمرؓ کے متعلق یا
...... کہا ہے کیا آپ کے اور ہمارے حفاظ احادیث عماد الدین وغیرہ
تسلیم کرتے ہیں۔

الغرض اگر الفاظ کو بغیر قرینہ صارفہ کے معانی پر حمل نہ کریں تو دنیا
لغت کا انتظام ہی نہیں چل سکتا اور یہ علمائے کرام ہمیں مورد طعن و
بنانے والے ایک دن بھی آسانی سے نہیں گذار سکتے۔ یہ اپنے شاگرد
چارپائی کیلئے کہیں وہ چوکی اٹھالائے یہ اسے چوکی کہیں وہ چارپائی اٹھالائے
یہ ہنڈیا کہیں وہ دوات اٹھالائے یہ دوات کہیں وہ ہنڈیا اٹھالائے
یہ چھاتہ کہیں وہ خیمہ اٹھالائے یہ خیمہ کہیں وہ چھاتہ اٹھالائے یہ پگڑی کہیں وہ
چدر اٹھالائے یہ چدر کہیں وہ پگڑی اٹھالائے وعلی ہذا القیاس۔ ہلم
جرا الی غیر النہایۃ تو ان کے لئے کیا سارے بنی نوع انسان کے لئے دنیا
میں ایک دن بسر کرنا دشوار عسیر جداً ہو جائے جب یہ قاعدہ مسلم بین الاقوام
ہے تو پھر عن عائشۃ قالت رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وھو یموت وعندہ قدح فیہ ماء فیدخل یدہ فی القدح ثم
یمسح وجھہ بالماء ثم یقول اللھم اعنی علی سکرات الموت
رواہ ابن ماجہ ص۱۱۸ میں حضرت عائشہؓ نے وھو یموت کا کیا معنی
مراد لیا اور سمجھنے والے سامعین ومخاطبین نے کیا سمجھا اور خود رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم اعنی علی سکرات الموت میں موت کا کیا
معنی مراد لیا اور سننے والوں (حضرت عائشہؓ ومن سمع منہا) نے کیا

سمجھا کیا وہی جو قرآن کریم میں مذکور ہے وجاءت سکرۃ الموت بالحق
یا کچھ اور۔ عن الزھری سمع انس بن مالک یقول آخر نظرۃ
نظرتہا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشف الستارۃ یوم
الاثنین الی ان قال ومات من آخر ذلک الیوم رواہ ابن ماجہ
ص۱۱۸ میں حضرت انسؓ نے مات من آخر ذلک الیوم سے کیا معنی مراد لیا
اور سامعین منہ نے کیا سمجھا اور عن ام سلمہؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کان یقول فی مرضہ الذی توفی فیہ الحدیث رواہ ابن ماجۃ
ص۱۱۸ میں حضرت ام سلمہ نے توفی سے کیا معنی مراد لیا اور سامعین منہا نے
کیا سمجھا۔ اور عن الاسود قال ذکروا عند عائشۃ ان علیاً کان وصیا
فقالت متی اوصی الیہ فلقد کنت مسندتہ الی صدری او الی
حجری فدعا بطست فلقد انخنث فی حجری فمات وما شعرت
بہ فمتی اوصی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابن ماجۃ ص۱۱۸ میں عائشہ
صدیقہؓ فمات سے کیا معنی مراد لیا۔ اور سامعین منہا نے کیا سمجھا اور حضرت
ابوبکر الصدیقؓ سے فرمایا انت اکرم علی ... ان یمیتک مرتین قد
واللہ مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابن ماجۃ ص۱۱۸
اس میں مات سے کیا مراد لیا۔ اور سامعین منہ نے کیا سمجھا اور ان پر اس کا
کیا اثر ہوا۔ انہوں نے اس سے کیا تاثر لیا اور انت اکرم علی اللہ ان یمیتک
مرتین کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ایک موت تو آپ پر طاری ہو چکی اور اگر بقول
عمرؓ آپ زندہ ہیں تو اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ پر دوبارہ موت وارد ہو تو یہ

کبھی نہیں ہوسکتا اور یہ معنی کرنا کہ آپ موت کے بعد زندہ ہو چکے ہیں اور اب زندہ ہی رہیں گے دوبارہ موت نہیں وارد ہوگی۔ یہ معنی کرنے والوں کی خوش فہمی ہے اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے۔ اگر یہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس کے بعد خطبہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات تو پھر اگر بقول شما آپ دنیوی حیات سے زندہ ہیں تو ایک وقت میں بحیوٰۃ دنیویہ زندہ بھی ہیں اور صدیق اکبرؓ کا قول فان محمدًا قد مات ہی صادق آرہا ہے یہ جمع بین الضدین ہے اور پھر اس خطبہ کے سننے والوں مہاجرین و انصار اصحاب العقبہ اصحاب الشجرہ اصحاب بدر نے اس سے کیا تاثر لیا اور کیا سمجھا اور خود امیر عمرؓ جو اس سے پہلے حیات کے قائل تھے اور اب فلکانی لم اقرأھا الا یومئذ کہہ رہے تھے کیا تاثر لیا، کیا سمجھا اور کس نتیجے پر پہنچے۔ تو یہ سب حضرات عائشہ صدیقہ رضؓ، صدیق اکبرؓ، امیر عمرؓ امیر عثمانؓ، ام سلمہؓ، انس بن مالکؓ، مہاجرین انصار اصحاب عقبہ اصحاب بدر، اصحاب الشجرہ مجاز بول رہے ہیں مجاز سن رہے ہیں اور مجاز پر حمل کر رہے ہیں اور یہ سارا قصہ مجازی ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں۔ اور کبھی یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوٰۃ دنیویہ ثابت کرنے کے لئے حدیث نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ پیش کرتے ہیں لہٰذا دیکھنا ہے کہ اس سے حیوٰۃ دنیویہ کس طرح ثابت ہوتی ہے۔

پہلے اس حدیث کا صحیح مفہوم سمجھئے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نبوت کی شان اور انبیاء علیہم السلام کی پاکبازی زہد فی الدنیا اور دنیا و ما فیہا سے لاپروائی اور اس کے مزخرفات امتعہ و اموال کے ساتھ ان حضرات کا بالکل ادنیٰ سے ادنیٰ حسب ضرورت تعلق ہونا بیان فرماتے ہیں کہ ہم انبیاء کی جماعت کو نہ دنیا سے لگاؤ ہے نہ دلچسپی نہ محبت نہ پیار نہ اس کے مزخرفات کی طرف التفات اور نہ ہی ہم اس سے یہ تعلق وابستہ کرنا پسند کرتے ہیں کہ کوئی کہے کہ دنیا اور اس کے مال و متاع کا شوق تھا۔ ہم نے اس کیلئے جدو جہد کی اور اس لئے کی کہ یہ ہم کو اور ہماری اولاد کو کام آئے گی۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں نہ ہمارا اس کے ساتھ زیادہ تعلق ہے اور نہ ہم اپنے آپ کو اس کے ساتھ زیادہ تعلق سے وارث کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق ہماری تبلیغ یہ رہی ہے یہی ہے اور یہی رہے گی۔ عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بجدی اسک میت قال ایکم یحب ان ھذا لہ بدرھم فقالوا ما نحب انہ لنا بشیء قال فواللہ للدنیا اھون علی اللہ من ھذا علیکم رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۴۴۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہت چھوٹے کانوں والے مردہ بکرے کے پاس سے گذرے اور صحابہ سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی اسے ایک درہم دے کر لینا پسند کرتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا (حضرت درہم تو بڑی چیز ہے) ہم اسے کسی چیز کے بدلے (جو درہم سے کتنی چھوٹی ہو) لینا پسند نہیں کرتے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم جتنا یہ تمہارے یہاں ذلیل ہے دنیا اللہ کے یہاں اس سے بھی زیادہ ذلیل (ا) کمتر ہے یہ ہے دنیا و ما فیہا کی حیثیت اللہ تعالیٰ اور انکے انبیاء علیہم السلام کے یہاں۔

وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۴۳۹)
دنیا مومن کا جیل خانہ اور کافر کی بہشت (اس کا مال و متاع مومن کے لئے
جیل کاٹنے کا چند روزہ سامان ہے اور اس کی روزی مومن کے لئے جیل
کی روزی ہے اور کافر کے لئے بہشت کے میوے ہیں) وعن ابی ہریرۃ ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا
فی روایۃ کفافا متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۴۳۲) رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روزی
(صرف) گذر اوقات کے بقدر بنا (زیادہ نہ ہو)

وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قد افلح من اسلم ورزق کفافا وقنعہ اللہ بما آتاہ
رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۴۳۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
بیشک کامیاب رہا وہ جو اسلام لایا اور روزی دیا گیا گذر اوقات کا قدر
(زیادہ نہ ہو کہ اس میں فساد دین کا خدشہ ہے) اور صابر بنایا اس کو
اللہ تعالیٰ نے اس (تھوڑے رزق) پر جو اس کو دیا۔ وعنہ (ای عن
ابی ہریرۃ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ان الدنیا
ملعونۃ ملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ وعالم او متعلم
رواہ الترمذی وابن ماجۃ (مشکوٰۃ ص۴۳۳) رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا ملعون ہے (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور) اور

جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون مگر (لعنت سے محفوظ ہے تو) اللہ تعالیٰ
کی یاد اور جو اس (یاد) کے قرب و جوار کی چیزیں ہیں اور عالم یا طالب علم۔
وعن سہل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا
منہا شربۃ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ (مشکوٰۃ ص۴۳۳)
اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو اس سے
ایک بار پینے کے لئے بھی پانی نہ دیتا۔ وعن ابی ہاشم بن عتبۃ قال
عہد الیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما یکفیک من
المال خادم ومرکب فی سبیل اللہ رواہ احمد والترمذی و
النسائی وابن ماجۃ (مشکوٰۃ ص۴۳۴)۔ ابو ہاشم کہتا ہے مجھے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی کہ اتنا مال جمع کر لینا تجھے کافی ہے کہ ایک خادم
اور ایک سواری جہاد کے لئے میسر ہو جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ مالی وللدنیا وما انا والدنیا الا کراکب استظل
تحت شجرۃ ثم راح وترکہا رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ
(مشکوٰۃ ص۴۳۴) مجھے دنیا سے کیا سروکار اور میرا اور دنیا کا کیا جوڑ۔ صرف
ایک سوار (مسافر) کی طرح کہ کسی درخت کے نیچے سایہ لیا پھر اسے چھوڑ کر چل دیا۔
آدم پر یہ مطلب تو حاصل یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا دنیا اور اس کے مال و
متاع سے کوئی جوڑ نہیں، کوئی سروکار نہیں، کوئی وابستگی نہیں، کوئی دلچسپی
نہیں، کوئی خاص تعلق اور واسطہ نہیں۔ انبیاء علیہم السلام بمنزلہ مسافر کے ہیں۔

اور دنیا مانند ایک درخت کے جو مسافر راہگیر کو راستے میں مل جائے اس کے سائے میں تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا اور چل دیا۔ اور یہی مراد ہے اس حدیث سے نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ ہم انبیاء علیہم السلام کا دنیا کے مال ومتاع سے ملک کا تعلق اتنا قوی اور مضبوط نہیں کہ ہمارے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد وہ مال اس ملک کے تعلق کی بنا پر ہمارے ورثاء کو مل جائے کہ ہمارا اپنا ملک کا تعلق اس مال سے برحال ہے بلکہ ہمارا مالکیۃ کا تعلق دنیوی مال ومتاع سے اتنا معمولی ہے کہ ہمارے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اس تعلق کی بنا پر وہ مال ومتاع ہمارے ورثاء کو نہیں ملتا جیسے ہم راہ چلتے ایک درخت کے نیچے کچھ دیر کے لئے آرام کریں تو ہمارے وہاں سے چلے جانے کے بعد وہ درخت ہمارے ورثاء کو نہیں ملے گا۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ دنیاوی مال ومتاع سے تعلق مالکیۃ کے تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تعلق مالکیۃ اتنا مضبوط اور قوی ہو کہ مرنے کے بعد بھی باقی رہے یہ تو کسی کو حاصل نہیں۔ دوسرا یہ کہ اتنا قوی نہ ہو لیکن فی الجملہ اس میں اتنی قوت ہو کہ مرنے کے بعد اس کے ورثاء کو مل سکے یعنی وہ ملک اس تعلق قوی فی الجملہ کی بنا پر ورثاء کی طرف منتقل ہو سکے۔ تیسرا یہ کہ اس تعلق مالکیۃ میں اتنی قوت بھی نہ ہو کہ اس مالک کے دنیا سے انتقال کے بعد ورثاء کو مل سکے اور وہ ملک ورثاء کی طرف منتقل ہو سکے۔ بلکہ وہ تعلق بالکل کمزور اور برائے نام ہو۔ تو ہم انبیاء علیہم السلام کا تعلق مالکیۃ بمال ومتاع بالکل کمزور اور برائے نام ہے صرف اتنا ہے جتنا راہ چلتے مسافر کو سایہ دار درخت سے لہذا جب ہم دنیا سے رخصت ہو جائیں تو وہ مال اس تعلق کی بنا پر ہمارے ورثاء کو نہیں ملے گا اس لئے کہ ہمیں اتنی

قوت نہیں کہ ورثاء کی طرف منتقل ہو سکے بس ہم گئے اور وہ ملک کلیۃ ختم اب وہ مال صدقہ ہے مساکین اور محتاج لوگ اس سے نفع اٹھائیں تو اس حدیث سے مراد اور مقصد تھا انبیاء علیہم السلام کا تعلق مالکیۃ بالمال نہایت کمزور بتلانا کہ ان کے دنیا سے رخصت کے بعد ان کا کیا ہے ان کے ورثاء کا بھی نہیں رہتا بس وہ گئے اور ملک ختم نہ ان کا رہا نہ ان کے ورثاء کا۔ اب اس حدیث . . . . کی مراد اس کے مقصد اس کی غرض کو چھوڑ کر ایسا محل پیدا کیا گیا جو مراد حدیث کے خلاف ہے حدیث تھی انبیاء علیہم السلام کے تعلق مالکیۃ بالمال کے کمزور بتلانے کیلئے اور ان حضرات نے اس کو اس پر محمول کیا کہ انبیاء علیہم السلام کا تعلق مالکیۃ بالمال اتنا قوی تر ہے کہ ان کے رخصت ہو جانے کے بعد بھی بحال رہتا ہے ع

ببیں تفاوت راہ از کجا تا بکجا است

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے مال ومتاع سے نفرت دلانے کے لئے اسے مردہ بکریے سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ دنیا کو مومن کے لئے سجن بتلا رہے ہیں اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا کی دعا کر رہے ہیں دنیا وما فیہا کو باستثناء چند اشیاء ملعون (اللہ کی رحمت سے دور) قرار دے رہے ہیں اور کبھی کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل (دنیا میں ایسے رہو جیسے پردیسی بلکہ راہ چلنے والا) کی تعلیم دے رہے ہیں اور اپنا تعلق بالدنیا کو مسافر کے تعلق بالشجرۃ سے تشبیہ دیتے ہوئے مالی وللدنیا۔ وما انا والدنیا فرما رہے ہیں۔ اگر مسجد میں یاد آجاتا ہے کہ گھر کچھ سونا رکھا ہے تو دوڑتے واپس گھر تشریف لیجا رہے ہیں کہ رات آنے سے پہلے محاویج اور مستحقین میں تقسیم ہو جائے اور رات میرے گھر نہ رہے۔ اگر مرض موت میں چند دراہم یا دنانیر (جو گھر میں رکھے ہیں)

تقسیم کرنے میں حضرت عائشہؓ سے تاخیر ہو جاتی ہے تو انہیں منگا کر اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرماتے ہیں:- ما شان نبی یلقی اللہ وھی عندہ کیا حال ہوگا نبی کا جو اللہ تعالیٰ سے ملے اور یہ درہم یا دنانیر اس کے پاس ہوں۔ اللہ اکبر۔

تھوڑے سے مال کے ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے ملتے ہوئے ڈرتے ہیں اور یہ پسند کرتے ہوئے کہ میری اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت میرا دنیاوی مال سے نہ بلاواسطہ تعلق اور ملک ہو کہ میں خود اس کا مالک ہوں نہ بالواسطہ اس طرح کا تعلق ہو کہ میرا ملک اس مال سے کلیۃً ختم ہو چکا ہو۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا۔ نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ

این است تحقیق مناط این احادیث

ورنہ اس حدیث مبارک سے اس کی بو تک نہیں آتی کہ ورثاء میں اس لئے تقسیم نہیں ہوگا۔ کہ ہمارا ملک اس پر الآن کما کان باقی ہے۔ اگر باقی ہے۔ تو صدقہ کیسے ہوا۔ تصدق اور اباحۃ میں یہی فرق ہے۔ کہ تصدق کی صورت میں ملک متصدق علیہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہاں اگر قوی ہوتا تو ورثاء کی طرف منتقل ہوتا لیکن ضعیف ہے فقراء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور وہ اپنے فقر و فاقہ کی قوۃ مقناطیسیہ سے اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ اور وہ مؤید ہوگی اس کے کھینچنے میں۔ ورنہ یہ جب ہے یہی اتنا، جتنا مسافر کا درخت سایہ دار سے تو دنیا ختم ہونا چاہتا ہے۔ اور اباحۃ کی صورت میں ملک مبیح کا باقی رہتا ہے۔ اور مباح لہ اس کے ملک پر کھاتا پیتا اور استعمال کرتا ہے۔ اس کی اجازت سے اباحت استعمال کی اجازت کا نام ہے۔ اور دنیاوی مال و متاع سے ضعف تعلق

بلکہ یہی تو نبوت کی منزہ، مبرا، پاکیزہ اور نرالی شان ہے۔ جس کو مسافر اور سایہ دار درخت والی حدیث نے واضح کیا ہے

انبیاء در کار دنیا جبری اند — کافراں در کار عقبیٰ جبری اند
انبیاء را کار عقبیٰ اختیار — کافراں را کار دنیا اختیار

اور اگر ملک باقی ہے تو ما ترکناہ کیوں فرمایا۔ کیا یہ وہی ترک نہیں جس کا ذکر فلھن ثلثا ما ترک۔ ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک۔ ولکم نصف ما ترک ازواجکم۔ فلکم الربع مما ترکن ولھن الربع مما ترکتم۔ فلھن الثمن مما ترکتم۔ آیات قرآنیہ میں آیا ہے۔ پھر یہاں اس کا کوئی اور معنی مراد لینا اصطلاح قرآن کریم کے خلاف نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ لہذا یہاں بعد الموت بقاء ملک کا قول کرنا عجیب اور پھر اس کی علۃ حیوۃ دنیویہ نکال لینا اور عجیب (ضغث علی ابالۃ) یہاں ملک تو ہے نہیں اور جو حکم لا نورث ہے اس کی علۃ بھی حیوۃ دنیویہ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ یہ پورا قضیہ یوں ہے نحن معشر الانبیاء لا نورث جس میں موضوع نحن ہے جس کی تخصیص اور وضاحت معشر الانبیاء سے کی گئی ہے۔ تو حکم لا نورث ہوا معشر الانبیاء پر اور قاعدہ عربیہ کا یہ ہے۔ کہ جب مشتق پر حکم ہو تو وہ اس کا مبدا اس حکم کی علۃ ہوا کرتا ہے۔ تو یہاں نبی کا مبدا جو نبوت ہے وہ حکم لا نورث کی علۃ ہوگا۔ یعنی نبوت کی نرالی شان ایسی ہے (جس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے) کہ وہ لا نورث کے حکم کا تقاضا کرتی ہے۔ (حیوۃ دنیویہ نکالنے کی ضرورت نہیں)۔

السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما میں علۃ قطع سرقہ نہیں تو اور
کیا ہے۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما میں علۃ جلد
زنا نہیں تو اور کیا ہے۔ المومن یکرم میں علۃ اکرام ایمان نہیں تو اور کیا
ہے۔ الکافر یھان میں علۃ اہانت کفر نہیں تو اور کیا ہے۔ المحب
یشتاق لقائہ میں علۃ اشتیاق محبت نہیں تو اور کیا ہے۔ العدو یبغض
لقائہ میں علۃ بغض عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔ الظالم ینتقم منہ
میں علۃ انتقام ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ المنافق یضیق علیہ فی قبرہ
میں علۃ تضییق نفاق نہیں تو اور کیا ہے۔ الساری فی اللیل یلدغ
میں علۃ لدغ سری فی اللیل نہیں تو اور کیا ہے۔ السخی قریب من
اللہ میں علۃ قرب سخاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ البخیل بعید
من اللہ میں علۃ بعد بخل نہیں تو اور کیا ہے۔ وعلی ھذا القیاس
ھلم جرا الی ما لا تعد ولا تحصی۔ سخن ور اسخن شناس نئی خطا اینجا ست
پھر آپ ہی بتلائیے کہ حدیث مذکور کے اس قلب موضوع اور تبدیل مراد کو
جو آپ منبر [illegible] سٹیج کی زینت بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا جواب
دیں گے۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین ینبؤ الانسان یومئذ
بما قدم واخر ونخرج لہ یوم القیمۃ کتابا یلقاہ منشورا۔ اقرأ کتابک
کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا۔ یاد رکھئے یہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور
برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت ہے۔ مرزا قادیانی کی نبوت نہیں جو کبھی
سپر سونا اپنے [illegible] کے لئے اکٹھا کر جائے اور کبھی یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی حیات دنیویہ ثابت کرنے کے لئے ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل
اجساد الانبیاء پیش کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ تقریباً اس
حدیث کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا گیا جو حدیث متذکرۃ الصدر کے ساتھ کیا گیا
تبدل سے مراد تغیر مقصد قلب موضوع اور حمل علی غیر محلہ وانزال علی غیر موضعہ۔
تفصیل اس کی یہ ہے کہ مندرجہ ذیل امور کتب حدیث سے بلاشک و شبہ ثابت ہیں
(۱) آپؐ کی تھوک صحابہ ہاتھوں پر لیتے (۲) آپ کا فضلۂ وضوء تبرک کے لئے
بدن پر ملتے۔ (۳) حجۃ الوداع میں آپ کے بال صحابہ کرام میں تقسیم کئے گئے۔ (۴) بعض
صحابیات نے آپؐ کا پسینہ خوشبو کے لئے جمع کیا۔ (۵) آپؐ نے اپنی تہبند
اپنی صاحبزادی کے کفن کے لئے دی اور فرمایا کہ اس کو سب کپڑوں کے اندر بدن
سے ملا [illegible] پہنانا (۶) ایک صحابی نے بالطف حیل آپ کی چادر اپنے کفن کے
لئے آپ سے لی۔ اور پھر اس کو مرتے وقت اس کا کفن پہنایا گیا۔ اب مدعا یہ
ہے مطلب تو وہ ذات گرامی جس کی تھوک جس کے فضلۂ وضو جس کے بالوں جس کے
پسینے جس کے تہبند جس کی ازار (چادر) کی یہ شان ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے
اجساد بعد مفارقۃ ارواح کی عظمت و حرمت بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں
ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء یعنی انبیاء علیہم
السلام کے ابدان و اجساد کی حرمت و عظمت بعد مفارقۃ الارواح بھی اتنی
ہے کہ انہیں زمین نہیں کھاتی اور اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر زمین پر یہ حرام
کر دیا کہ وہ اجساد انبیاء کو کھائے (حرمت تکوینی مراد ہے تشریعی مراد نہیں)
اور کیوں بھی نہ ہو۔ جن کے فضلہ وضو، تھوک، پسینہ، بال اور ازار کی [illegible]

شان ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان کے ابدان و اجساد بعد مفارقۃ الارواح کی یہ شان کیوں نہ ہو اور یہ سب ان کی سچی نبوت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اور ان کی پاکیزہ نبوت ہی اس کے مقتضی ہے کہ بعد مفارقۃ الارواح بھی زمین ان کے ابدان و اجساد کو ابد الاباد کے لئے نہیں چھیڑتی رہی۔ حیوٰۃ دنیویہ تو نہ اس میں یہ قوت ہے نہ پاکیزگی اور نہ ہی عند اللہ اس کی یہ قدر و منزلت اور حرمت و عظمت ہے کہ زمین اسے نہ چھیڑے زمین کے نہ چھیڑنے کے لئے تو مقبولیت عند اللہ درکار ہے۔ اور مقبولیت ہے نبوۃ کو یاد لائیے کہ جیسے اصحاب کہف ولبثوا فی کہفھم ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعا۔ حیوٰۃ دنیویہ کا اس سے کیا سروکار۔ نبوۃ سے قطع نظر اس میں کونسی خوبی حرمت و عظمت آگئی ہے کہ زمین اس کا لحاظ کرے۔

پھر سننا لیجئے یہ شان نبوۃ کی ہے کہ بعد مفارقۃ ارواح بھی زمین ان کے اجساد وابدان کو نہیں چھیڑتی۔ حیوٰۃ دنیویہ کی نہیں۔ حکم کو ایک علۃ کی طرف منسوب کرتے وقت پہلے اس علۃ کو دیکھ تو لو۔ کہ اس علۃ میں یہ حکم ثابت کرنے کی قوۃ بھی ہے یا نہیں۔ حیوٰۃ دنیویہ بغیر نبوۃ حقہ کے کہاں اس قابل ہے کہ اس

ے الغرض یہ قدر و منزلت اضافۃ جسد الی النبی (جسد النبی) کی ہے جسد موصوف بحیاۃ (جسد حی) کی نہیں یہ نبوۃ کی عظمت ہے حیوۃ کو اس میں کیا دخل۔ اور نبوۃ کے مقابلہ میں حیات ہے ہی کیا کہ اسے چھوڑ کر اسے علۃ حکم بنایا جائے۔ ۱۲ منہ

کی طرف اتنا جلیل القدر حکم منسوب ہو سکے۔ ایک زندہ غیر نبی غیر ولی یا ایک زندہ جھوٹے نبی (جیسے مرزا قادیانی) کو پندرہ دن کے لئے قبر میں بند کیجئے گل سڑ کر نکلے گا۔ اور زمین اس کا تیا پاچا کر دے گی اور حیوۃ دنیویہ دھری کی دھری رہ جائے گی اور زمین سر سے لے کر پاؤں تک اسے کھا جائے گی۔ تو اس حدیث میں تبدیل مراد قلب موضوع اور حمل علی غیر محلہ کس طرح کیا گیا۔ اس طرح کہ حدیث تو نبی کی رفعت شان بیان کرنے کے لئے بغیر انضمام اور مداخلت کسی اور چیز کے اور مطلب یہ تھا کہ نبوۃ بذات خود اور قطع نظر انضمام و مداخلت کسی چیز کے اللہ تعالیٰ کو اتنی محبوب ہے کہ جس قالب میں بھی نبی کی روح رہ چکی ہو اس قالب کی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی وقعت اور قدر و منزلت ہے۔ کہ زمین اسے نہیں چھیڑتی۔ حیوٰۃ دنیویہ نہ یہاں موضوع نہ محمول نہ اوسط نہ علۃ نہ معلول ویسے اسے لاکر حدیث کی مراد میں داخل کر دیا اور حدیث کی مراد کو بگاڑ دیا مراد یہ تھی کہ نبوۃ صادقہ کو اس حرمت کا سبب بننے کیلئے اور کسی چیز حیوٰۃ دنیویہ وغیرہ کے انضمام کی ضرورت نہیں۔ اور ان حضرات نے یہ ضرورت ثابت کر دی تو مطلب یہ ہوا کہ محض نبوۃ صادقہ اس کیلئے کافی نہیں کچھ اور بھی چاہیئے۔

سنن ابن ماجہ میں صفحہ ۱۱۹ پر اس حدیث میں ایک زیادتی بھی آخر میں مذکور ہے فنبی اللہ حی یرزق لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ مدرج من الراوی ہے اسی لئے

ے بلکہ سیرۃ محمدیہ صفحہ ۵۴ میں تو لکھا ہے کہ اس حدیث کے آخر میں قال ابن ماجۃ فنبی اللہ حی یرزق فی قبرہ چلو بات ختم ہوئی۔ یہ قول ہی مؤلف ابن ماجہ کا اپنا ہے کسی اوپر کے راوی کا ادراج کہنے کی ضرورت بھی نہیں۔ ۱۲ منہ

سنن ابن ماجہ میں اوس بن اوس کی روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں ایک علۃ دقیقہ ہے اور سخاوی کہتے ہیں اس کے رجال ثقہ ہیں لیکن منقطع ہے ۔ اور وہ علۃ دقیقہ اور انقطاع کا قصہ یہ ہے کہ اس میں زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی مرسل ہے (رحیق مئی ۱۹۵۶ء)

پھر اگر بالفرض نبی اللہ حی یرزق کی زیادتی تسلیم بھی کرلی جائے تو مطلق حیوٰۃ میں تو کلام ہی نہیں۔ کلام ہے حیوٰۃ دنیویہ میں۔ جسے ہم بعد الممات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلیم نہیں کرتے۔ اور تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت میں بالرفیق الاعلیٰ فرمانے والے کے حق میں کسر شان سمجھتے ہیں۔ اور آپ کا یہ دعویٰ کہ حیوٰۃ دنیویہ قوی ہے یا بہتر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ آیات قرآنیہ کے متعارض ہے۔ انما الحیوٰۃ الدنیا لہو و لعب وان الدار الآخرۃ لہی الحیوان۔ بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقیٰ۔ وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ پہلے ان آیات کے مقابلہ میں کوئی دلیل پیش کرو۔ پھر ان کی تاویل کرو۔ ودونہ خرط القتاد ولا یتیسر لکم الجواب عن ھذہ الآیات الی یوم المعاد۔

اور کبھی یہ لوگ حیوٰۃ دنیویہ ثابت کرنے کے لئے آیۃ ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا پیش کرتے ہیں اور یہ بھی کس طرح قواعد علمیہ مسلمہ کے ماتحت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے کہ علوم نقلیہ میں دلیل تو ہوا کرتی ہے نقل آیۃ قرآن یا سنۃ رسولؐ یا اجماع امۃ، رہا قیاس سو وہ دلیل مظہر ہے مثبت نہیں مقیس میں حکم نص وارد فی المقیس علیہ کی طرف منسوب ہوگا۔ نہ کسی اور چیز کی طرف اور علۃ جامع

بین المقیس والمقیس علیہ صرف علامۃ ہے نہ مثبت حکم۔ فرض کیجئے اگر مقیس علیہ میں نص وارد نہ ہوتی تو باوجودیکہ علۃ جامع دونوں میں پائی جاتی ہے۔ نہ مقیس علیہ میں حکم ہوتا اور نہ مقیس میں۔

اگر الحنطۃ بالحنطۃ الی آخر ما عُدَّ مثلاً بمثل وارد نہ ہوتا تو نہ اشیاء منصوصہ میں ربا حرام ہوتا نہ ان کے مقیسات میں اگر انما الخمر والمیسر الآیۃ وارد نہ ہوتا تو نہ شراب حرام ہوتی اور نہ اس پر کوئی مقیس اور خصوصاً مورد نص میں تو حکم نص سے کاٹ کر کسی اور چیز کی طرف منسوب کرنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ یہ تو صریح مورد نص میں قیاس سے کام لینا ہے۔ جو سراسر ناجائز ہے۔ پھر جب لا تنکحوا الآیۃ نص صریح موجود ہے اور حکم عدم جواز نکاح بھی حسب قواعد علم اصول اسی کی طرف منسوب ہے۔ تو بیچ میں حیوٰۃ دنیویہ نکالنے کا کیا معنی پھر شہداء کے حق میں جہاں حیوٰۃ نص قرآن میں موجود ہے وہاں وہ حیوٰۃ عدم جواز نکاح کی علۃ نہیں بنی۔ تو یہاں آپ کھینچ تان کر نکالیں۔ پھر اسے دنیوی بنائیں۔ پھر اسے قوی بنائیں۔ پھر وہ عدم جواز نکاح کی علۃ بن جائے گی۔ تو اب حاصل یہ ہوا کہ شہداء کے حق میں حیوٰۃ منصوصہ من اللہ عدم جواز نکاح کی علۃ نہ بنی۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ کا فرمان ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔ بھی بغیر آپ کی حیات دنیویہ مستخرجہ من عند انفسکم کے عدم جواز نکاح کے لئے کافی نہ ہوا۔ لہٰذا آپ نے حیوٰۃ مستخرجہ اختراع کی۔ پھر دنیویہ بنائی۔ پھر دنیویہ ہوتے ہوئے جیسے اللہ تعالیٰ انما الحیوٰۃ الدنیا لہو و لعب فرما رہے ہیں۔ حیوٰۃ اخرویہ سے قوی ثابت کی۔ جس حیوٰۃ اخرویہ کے حق میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ وان الدار الآخرۃ لہی الحیوان۔

اور پھر یہ علۃ بنی عدم جواز نکاح کی جس نے اللہ تعالیٰ کی علۃ منصوصہ وازواجہ امھاتھم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ امومیۃ ازواج النبی للمؤمنین عدم جواز نکاح میں کام نہ آئی اور آپ کی حیوۃ دنیویہ مستخرجہ من عند نفسہم قویہ کام آگئی تو پھر واضع شریعت اللہ تعالیٰ تو نہ ہوا آپ ہوئے الی اللہ المشتکی ثم الی اللہ المشتکی۔

اللہ تعالیٰ کے بندو! کتنی سیدھی سادھی بات ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح ناجائز ہے۔ یا یوں کہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم روحانی باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات بنص قرآن مجید وازواجہ امھاتھم مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور باپ بقید حیات ہو یا نہ ہو ماں سے نکاح کرنا منع ہے۔ لہٰذا ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔ اگر نصوص شرعیہ میں اس طرح ایچ پیچ لگانے شروع کر دئے جائیں تو شریعت کا کوئی حکم برحال نہیں رہ سکتا اور نہ ہی پھر فرق باطلہ کو آپ کوئی جواب دے سکتے ہیں۔ خدارا یہ رستہ بند کرو اور اپنے اسلاف کے طرز عمل کو دیکھو جس طریق کار کا آپ نے آغاز کیا ہے۔ اگر اسی کو آپ نے کچھ دن اور آگے چلایا تو آپ کے یہ صاحبزادگان متبدعین دوران اور اعجوبہ زمان بن کر رہ جائیں گے نص صریح کے مقابلہ میں قیاس۔ مورد نص میں قیاس۔ حکم کو نص سے کاٹ کر علۃ کی طرف منسوب کر دینا۔ علۃ منصوصہ کو چھوڑ کر غیر منصوصہ کو لے لینا قیاس کو نص پر ترجیح دینا۔ آیات قرآنیہ اور بخاری مسلم چھوڑ کر مواہب اللدنیہ اور مدارج نبوۃ جو اغلاطنہ اور مداحیہ رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ ام الکتاب کا درجہ

دینا جیسے بریلوی حضرات مسلم، بخاری اور قرآن کریم کو چھوڑ کر مسند فردوس دیلمی کو ام الکتاب کا درجہ دے رہیں۔ عام کی بلا دلیل تخصیص کر لینا وغیرہ تو ابھی سے ان کا شب روز کا مشغلہ بن چکا ہے۔ وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اب بھی چند ہستیاں حضرت مولانا رسول خان صاحب مدظلہ، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری۔ مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمبلپوری جیسی موجود ہیں۔ انہیں ان کے پاس بٹھاؤ یہ آپ کا ذخیرہ آخرت بن جائیں گے۔ ورنہ ابتو ان کی یہ حالت ہے کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ہند کے انصراف اور عدم انصراف میں نحاۃ کے کتنے مذہب ہیں تو یہ نہ بتا سکیں گے اور اگر بتائیں گے تو یہ کہ ایک مذہب میں منصرف ہے دوسرے میں غیر منصرف اور یہ ہے غلط۔ اور اگر پوچھا جائے کہ اضروب کی تصغیر اضیرب منصرف ہے یا غیر منصرف، منصرف ہے تو کیوں اور غیر منصرف ہے تو کیوں۔ یہ نہ بتا سکیں گے۔ اور اگر پوچھا جائے کہ نسخ اور انتہاء حکم بسبب انتہاء علۃ میں کیا فرق ہے۔ تو نہ بتا سکیں گے اور اگر پوچھا جائے کہ جب جملہ خبر واقع ہو تو اس میں عائد کتنے قسم ہوتا ہے۔ تو نہ بتلا سکیں گے۔ اور اگر اس کی مثالیں گنوائی جائیں زید ابوہ قائم۔ زید نعم الرجل۔ لباس التقوی۔ ذلک خیر۔ الحاقۃ ما الحاقۃ۔ نطقی اللہ حسبی وکفی۔ قل ھو اللہ احد۔ ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت انا لا نضیع اجر من احسن عملا۔ تو ان میں تعیین نہ کر سکیں گے۔ اور اگر پوچھا جائے کہ اجوف کے باب افتعال اور انفعال کی جب ماضی مجہول بنائی جائے۔ جیسے اجتیح اور انقید تو ان کے ابتداء میں واقعہ ہمزہ پر کیا حرکت

پڑھی جائے گی۔ تو نہ بتا سکیں گے۔ الا ما شاء اللہ۔ والا قلیل منہم۔

الغرض اگر یہی رسم چل پڑی جو آپ نے نکالی ہے اور بریلوی اس میں آپ کا [illegible]
بے شک عوام کے نزدیک تو آپ کو کافی شہرت اور مقبولیت حاصل ہو جائے گی۔ اور آجکل کام ہی
عوام میں شہرت اور قبولیت حاصل کرنا رہ گیا ہے خواہ اس شہرت حاصل کرنے سے دین اسلام کو
کتنا ہی نقصان پہنچے۔ پروا نہیں۔ لیکن اپنے اسلاف کی مساعی اور کوششوں پر پورا پانی پھیر
دیں گے۔ اور پھیر رہے ہیں۔ اور وہ پانی پھیرنا یہی ہے کہ قرآن کریم، بخاری اور مسلم کو چھوڑ کر مواہب
اللدنیہ۔۔ اور مدارج النبوۃ، شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور کو لے رہے ہیں۔ حضرت
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں :- وکتب الحدیث علی
طبقات مختلفۃ ومنازل متباینۃ فوجب الاعتناء بمعرفۃ طبقات کتب الحدیث فنقول
ھی باعتبار الصحۃ والشہرۃ علی اربع طبقات وذلک لان اعلی اقسام الحدیث
کما عرفت فیما سبق ما ثبت بالتواتر واجمعت الامۃ علی قبولہ والعمل بہ ثم
ما استفاض من طرق متعددۃ لا یبقی معہا شبہۃ یعتد بہا واتفق علی
العمل بہ جمہور فقہاء الامصار ولم یختلف فیہ علماء الحرمین خاصۃ فان
الحرمین محل الخلفاء الراشدین فی القرون الاولی ومحط رحال العلماء
طبقۃ بعد طبقۃ یبعد ان یسلموا منہم الخطأ الظاہر او کان قولا مشہورا
معمولا بہ فی قطر عظیم مرویا عن جماعۃ عظیمۃ من الصحابۃ والتابعین
ثم ما صح او حسن سندہ وشہد بہ علماء الحدیث ولم یکن قولا متروکا
لم یذہب الیہ احد من الامۃ اما ما کان ضعیفا موضوعا او منقطعا
او مقلوبا فی سندہ او متنہ او من روایۃ المجاہیل او مخالفا لما

اجمع علیہ السلف قاطبۃ بعدہ فلا سبیل الی القول بہ فالصحۃ ان
یشترط مؤلف الکتاب علی نفسہ ایراد ما صح او حسن غیر مقلوب
ولا شاذ ولا ضعیف الا مع بیان حالہ فان ایراد الضعیف مع
بیان حالہ لا یقدح فی الکتاب والشہرۃ ان تکون الاحادیث
المذکورۃ فیہا دائرۃ علی السنۃ المحدثین قبل تدوینہا وبعد
تدوینہا فیکون ائمۃ الحدیث قبل المؤلف رووہا بطرق شتی
واوردوہا فی مسانیدہم ومجامیعہم وبعد المؤلف اشتغلوا
بروایۃ الکتاب وحفظہ وکشف مشکلہ وشرح غریبہ وبیان اعرابہ
وتخریج طرق احادیثہ واستنباط فقہہا والفحص عن احوال
رواتہا طبقۃ بعد طبقۃ الی یومنا ہذا حتی لا یبقی شیٔ مما یتعلق بہ
غیر مبحوث عنہ الا ما شاء اللہ ویکون نقاد الحدیث قبل
المصنف وبعدہ وافقوہ فی القول بہا وحکموا بصحتہا وارتضوا
رأی المصنف فیہا وتلقوا کتابہ بالمدح والثناء ویکون ائمۃ
الفقہ لا یزالون یستنبطون عنہا ویعتمدون علیہا ویعتنون
بہا ویکون العامۃ لا یخلون عن اعتقادہ وتعظیمہ وبالجملۃ
فاذا اجتمعت ہاتان الخصلتان کملا فی کتاب کان من
الطبقۃ الاولی ثم وثم وان فقدتا راسا لم یکن لہ اعتبار
وما کان اعلی حدا فی الطبقۃ الاولی فانہ یصل الی حد التواتر
وما دون ذلک الی الاستفاضۃ او الصحۃ القطعیۃ او الظنیۃ

وهكذا ينزل الامر فالطبقة الاولى منحصرة بالاستقراء
في ثلاثة كتب الموطا (للامام مالك) وصحيح البخاري وصحيح مسلم
انتهى الى موضع الضرورة۔

اور آپ صحیح بخاری اور مسلم کو چھوڑ کر جن کتب (مواہب اللدنیہ، شرح الصدور
مدارج النبوۃ) کو لے رہے ہیں ان کے متعلق بھی امام الہند کی رائے گرامی
سُن لیں۔ ج۱ ص۱۰۷ میں فرماتے ہیں۔ والطبقة الرابعة كتب قصد
مصنفوها بعد قرون متطاولة جمع ما لم يوجد في الطبقتين
الاوليين وكانت في المجاميع والمسانيد المختفية فنوهوا
بامرها وكانت على السنة من لم يكتب حديثه المحدثون
ككثير من الوعاظ المتشدقين اے المبالغين في الكلام
واهل الاهواء والضعفاء او كانت من آثار الصحابة والتابعين
او من اخبار بني اسرائيل او من كلام الحكماء والوعاظ خلطها
الرواة بحديث النبي صلى الله عليه وسلم سهوا او عمدا او كانت من
محتملات القرآن والحديث فرواها بالمعنى قوم صالحون لا يعرفون
غوامض الرواية فجعلوا المعاني احاديث مرفوعة او كانت
معاني مفهومة من اشارات الكتاب والسنة جعلوها احاديث
مستبدة براسها عمدا او كانت جملا شتى في احاديث
مختلفة جعلوها حديثا واحدا بنسق واحد انتهى الى موضع الضرورة
اور آگے چل کر اس طبقہ رابعہ کے متعلق فرماتے ہیں جس میں مواہب اللدنیہ

مدارج النبوۃ، شرح الصدور سب داخل ہیں۔ واما الرابعة فالاشتغال
بجمعها او الاستنباط منها نوع تعمق من المتاخرين۔ وان
شئت الحق فطوائف المبتدعين من الروافض والمعتزلة
يتمكنون بادنى عناية ان يلخصوا منها شواهد مذاهبهم
فالانتصار بها غير صحيح في معارك العلماء بالحديث والله
اعلم انتهى۔

سُن لی آپ نے اپنے اختیار کردہ مسلک کی تعریف حضرت امام الہند
کی زبانی۔ هل ضاقت عنا ناقة مرغوب۔ ام هل بقي حاجة
في نفس يعقوب۔ کیا یہی مسلک آپ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا شیخ الہند وغیرہم من الاکابر
نور اللہ مراقدہم نے بتلایا تھا کہ ہم اسی لئے دیوبندی نہیں رہے کہ یہ مسلک
نہیں اختیار کیا۔ اور نہ ہی کرنا چاہتے ہیں ؎

علقہ پیر مغاں از ازل در گوش ماست — ما ہماں ہیم کہ بودیم سما خواہد بود
تم نیکوکار ہوئے مواہب و مدارج لے کر — ہم گنہگار ہوئے مسلم و بخاری لے کر

پھر یہ فرمایئے کہ نحن معشر الانبياء لا نورث الحديث ان الله حرم
على الارض ان تاكل اجساد الانبياء اور قرآن مجید کی آیت ولا
تنكحوا ازواجه من بعده ابدا۔ سے صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ
(اور اگر فاروق اعظم نے ان سب سے یا ان میں سے کسی ایک سے حیوۃ دنیویہ
سمجھی تھی تو وہاں صدیق اکبر کے جواب میں پیش کیوں نہ کر دی)

عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت
ابن مسعود۔ ابن عمر۔ ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی
نے بھی حیات دنیویہ سمجھی۔ کیا یہ کسی معتبر کتاب میں ملتا ہے۔ ان حضرات
معتبر کتاب میں کسی کا نام نہیں ملے گا کہ مثلاً فلاں صاحب نے ان دلائل سے حیات
سمجھی یا اس کا قول کیا یا ان میں سے کسی ایک کا یہ مذہب تھا۔ ہاں
ہے۔ وہ بھی آپ کو بتلا دیتے ہیں۔ مولوی احمد رضا خان صاحب
(بقول حق) میں فرماتے ہیں۔ فانہم (الانبیاء) صلوات اللہ تعالیٰ
علیہم طیبون طاہرون احیاء او امواتا بل لا موت لہم الا آنیا
تصدیقا للوعد ثم ہم احیاء ابدا بحیات حقیقیۃ دنیاویۃ روحانیۃ
وجسمانیۃ کما ہو معتقد اہل السنۃ والجماعۃ (البریلویۃ) و
لذا لا یورثون و یمتنع تزوج نساءہم صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ
علیہم بخلاف الشہداء الذین نص الکتاب العزیز انہم احیاء
ونہی ان یقال لہم اموات۔ انتہی۔

لہٰذا آپ حضرات نانوتوی مرحوم کا نام بیچ میں نہ لائیں۔ بلکہ مولوی احمد رضا
خان صاحب کا نام بیچ میں لائیں حضرت نانوتوی نے ایک ضرورت (عدم توریث)
پوری کرنے کے لئے لکھ دیا مگر یہ عقیدہ مذہب کے طور پر دوسروں کے سر آپ نہیں تھوپنا
چاہتے تھے کما یشہد بہ بعض عباراتہ۔ جو شخص اسے مذہب بنا کر پیش
کرنا چاہتا ہے وہ ہم نے لکھ دیا کہ آپ اس مذہب کی تتبع میں تکلیف نہ
اور کبھی یہ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ موت فنا کلی کا نام نہیں۔ بلکہ انتقال من دار

الی دار کا نام ہے۔ مگر اس سے یہ واضح نہیں کیا کہ یہ اپنے لئے دلیل دے رہے
ہیں یا اپنے خلاف۔ اس لئے کہ یہ دلیل بنتی تو ان حیوٰۃ دنیاویہ کہنے والوں کے
خلاف ہے اس لئے کہ اس میں ایک تو لفظ انتقال ہے جس کا معنی ہٹ جانا
ہے۔ اور دوسرا لفظ من دار الی دار ہے۔ اور جب ایک اسم کو دوبارہ نکرہ ذکر کیا
جائے تو قاعدہ اکثر یہ ہے (جیسے علماء اصول نے فان مع العسر یسرا۔ ان
مع العسر یسرا کی مثال دیتے لکھا) کہ اس سے مراد غیر اولی ہوتا ہے۔ تو اس
عبارت (تعریف موت) کا معنی یہ ہوا کہ ایک دار (دنیا) سے دوسرے دار
(آخرت) کی طرف چلا جانا۔ اور یہی تو ہم کہتے ہیں کہ وہ دار دنیا کو ترک کر کے
دار آخرت کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ نہ وہ دنیا کو ساتھ لے گئے اور نہ
دنیا ان کے ساتھ گئی۔ پھر یہ دنیا کی حیوٰۃ آپ نے ان کے پیچھے کہاں سے بھیج دی
جس دنیا کے حق میں الدنیا سجن المومن فرما گئے۔ اور جس کے ساتھ وہ اپنا ادنے
تعلق بتلا گئے ہیں کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح منہا وترکہا اور جس کے
متعلق وہ یہ تعلیم دے گئے ہیں۔ کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل اور
جس کے متعلق وہ یہ فرما گئے ہیں مالی وللدنیا وما انا والدنیا۔ اس حیوٰۃ دنیا
میں کونسی خوبی رکھی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انما الحیوٰۃ
الدنیا لہو ولعب۔ بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقی
اس میں کونسی قوت رکھی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ واضرب
لہم مثل الحیوٰۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء فاختلط بہ
نبات الارض فاصبح ہشیما تذروہ الریاح اور وہ رستہ

اب اس عبارت میں کہیں اس کا نام ونشان بھی ملتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام [illegible]
معروف نہیں آئی تبخضت کا کیا معنے ہے پھر اس میں کہیں حیوۃ دنیویہ کا ذکر بھی ہے۔
تو یہ کہہ رہے ہیں عند ربھم اور حیوۃ برزخیہ کے سوائے کچھ اور بھی کہہ رہے ہیں۔ جیسے
کہہ رہے ہیں کالشہداء۔ شہداء کی مانند اور شہداء کی حیوۃ کے متعلق قرآن کریم میں ولکن
لا تشعرون نص صریح ہے کیا حیوۃ دنیویہ بھی غیر مشعور ہوتی ہے تو اس سے ثابت
ہوا کہ شیخ جلال الدین سیوطی مستقل کتاب انتباہ الاذکیاء فی حیوۃ الانبیاء لکھنے والے اور
امام بیہقی مستقل کتاب حیوۃ الانبیاء لکھنے والے بھی حیوۃ دنیویہ کے قائل نہیں پھر سبکی کی عبارت
بھی سن لو وہ فرماتے ہیں۔ حیاۃ الانبیاء والشھداء فی القبر کحیاتھم فی
الدنیا ویشھد له صلوٰۃ موسیٰ فی قبرہ فان الصلوٰۃ یستدعی جسدا
حیا وکذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات
الاجسام ولا یلزم من کونھا حیاۃ حقیقیۃ ان تکون الابدان
معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب
واما الادراکات کالعلم والسماع فلا شک ان ذلک ثابت لھم
ولسائر الموتی۔ حیاۃ انبیاء اور شہداء کی قبر میں ان کی حیات کی مثل ہے جو
دنیا میں تھی اور اس کی شہادت دیتے ہیں۔ نماز موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قبر میں [illegible]
کہ نماز ایک زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ اور اسی طرح صفات مذکورہ انبیاء علیہم السلام
میں معراج کی رات۔ یہ سب صفات اجسام کی ہیں اور اسی کے حیات حقیقیہ
ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابدان اس حیات کے ساتھ ایسے ہوں جیسے دنیا
میں تھے، محتاج کھانے پینے کی طرف رہے ادراک علم اور سماع (سننا) پس

نہیں شک کہ یہ ثابت ہیں واسطے ان کے اور واسطے تمام موتی کے!! اب بنظر انصاف
دیکھئے اول تو یہ عبارت نہ آیۃ قرآن ہے نہ صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث مرفوع
صحیح متصل الاسناد ہے کہ سارے فیصلے اسی پر ہو جائیں۔ اور امام الہند شاہ
ولی اللہ جن کی عبارات پہلے مفصل گذر چکی ہیں اُن کے نظریہ کو نظر انداز کر دیا جائے
حالانکہ حضرت سبکی رح بہت جلیل القدر ہیں۔ ان کی جلالت قدر میں ہمیں کلام نہیں
مگر سبکی رحمۃ اللہ علیہ جیسے تو امت مرحومہ میں بیسیوں مل سکیں گے اور تابعین
تبع تابعین کے بعد شاہ ولی اللہ اور امام مجدد الف ثانی جیسے معدودے چند ہی
مل جائیں تو زہے غنیمت مگر اتنے ہی مل سکیں گے جتنی ہاتھ کی انگلیاں یا کچھ زائد
اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کو نظر انداز کر دیا جائے جو اپنی
تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔ ایں نوع تعلق کہ ارواح شہداء را با جانوران
بہم میرسد ہم بیرون از عالم عناصر است۔ یہ تعلق کا قسم جو ارواح شہداء
کو اڑنے پرندوں سے میسر ہوتا ہے عالم عناصر سے باہر ہے۔ اور سید آلوسی
[illegible] کی عبارت کو نظر انداز کر دیا جائے جو فرماتے ہیں۔ وعندی
ان الحیاۃ ثابتۃ لکل من یموت من شھداء وغیرہ وان ارواحھا
وان کانت جواھر قائمۃ بانفسھا مغایرۃ لما یحس به من البدن
لکن لا مانع من تعلقھا ببدن برزخی مغایر لھذا البدن
الکثیف (ص ۲۱ پ ۲) اور میرے نزدیک یہ ہے کہ حیات ثابت ہے ہر مرنے
والے شہید وغیرہ کے لئے اور ارواح اگرچہ جواہر قائمہ بالنفس ہیں مغائر ان ابدان
کے جو محسوس ہیں لیکن اس سے کوئی مانع نہیں کہ ان کا تعلق بدن برزخی سے

جو اس بدن کثیف کے مغایر ہے اور (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع کو ترک کر دیا جائے جو فرماتے ہیں انما نسمۃ المؤمن طیر تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ فی جسدہ یوم یبعثہ رواہ مالک والنسائی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور (مشکوٰۃ ص ۱۳۵) جس میں ارشاد ہے کہ مومن کی روح (خود) پرندہ بن جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ سبکیؒ کی عبارت اور ان عبارات اور حدیث میں تعارض بنایا جائے بلکہ آسانی سے یہ عبارت انہیں محامل پر حمل ہو سکتی ہے۔ (اگر حیات دنیویہ ثابت کرنے کا شوق سوار نہ ہو) اس لئے کہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ یہ تو کہہ نہیں رہے کہ نماز کے لئے بعینہ اسی جسم عنصری کی ضرورت ہے وہ تو یہ فرما رہے ہیں فان الصلوٰۃ تستدعی جسدا حیا (نکرہ) نماز کسی جسم زندہ کو چاہتی ہے۔ خواہ یہی بعینہ عنصری ہو یا روح خود جسم لطیف متمثل ہو جائے جیسے شاہ ولی اللہ کی رائے گرامی ہے یا روح کا تعلق ان اجسام عنصریہ کے علاوہ دوسرے اجسام جوڑ دیا جائے جیسے شاہ عبد العزیزؒ اور سید آلوسی کا قول ہے۔ یا روح خود پرندہ اور جسم (لطیف) بن جائے جیسے حدیث مذکور میں ہے اور پھر سبکی کا اگلا فقرہ وکذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلہا صفات الاجسام بھی بلا تکلف اسی پر منطبق ہو سکتا ہے۔ اور اس میں کسی ایچ پیچ کی ضرورت نہیں۔ اور سبکیؒ کی عبارت کو اس پر حمل کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ کہ وہ بعض احکام میں حیات دنیویہ تسلیم کر رہے ہیں۔ وہ تو انبیاء اور شہداء دونوں کو اکٹھا ذکر کر کے فرما رہے ہیں۔ حیاۃ الانبیاء والشہداء

فی القبر کحیاتہم فی الدنیا۔ حیات انبیاء اور شہداء کی قبر میں ان کی حیات دنیا کی مثل ہے۔ اب مثلیت میں یہ کہاں سے ضروری ہے کہ وہ مثلیت فی کل الاحکام ہو۔ لبعض الاحکام ہو۔ وہ اس عبارت سے اپنی یہ رائے ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ جیسے دنیا میں یہ سارے معاملات روح مجرد سے متعلق نہیں بلکہ جسم کا بھی ان میں دخل ہے۔ ایسے ہی وہاں برزخ میں بھی وہاں کے معاملات جو نماز پڑھنا وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ صرف روح مجرد کے نہیں بن سکتے۔ تاوقتیکہ کسی نہ کسی طرح ان میں جسمیت کا دخل نہ ہو۔ اور یہ مطلب سبکیؒ کی عبارت سے بالکل صاف نظر آتا ہے۔ مگر وائے نہ بھلا ہو اس تعصب کا کہ امام بیہقیؒ، سیوطیؒ، سبکیؒ خود تو حیات دنیویہ کے قائل نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سبکیؒ نے حیات الانبیاء والشہداء فی القبر کو حیات دنیویہ (با دخال کاف تشبیہ) تشبیہ دی اور اس تشبیہ کا صحیح محمل بھی تشبیہ فی کل الاحکام یا لبعض الاحکام تو نہیں بلکہ وہ ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ مگر یہ حضرات انہیں کی عبارات کو حیات دنیویہ پر منطبق کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم ان کو اس حیات دنیویہ سے اتنا شغف کیوں ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الدنیا سجن المؤمن۔ وما انا وللدنیا۔ وما انا والدنیا۔ اور کبھی یہ حضرات حیات دنیویہ ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔ واخبر (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم) وخبرہ صدق ان صلاتنا تعرض علیہ وان سلامنا یبلغہ ہمارا درود پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے اور ہمارا سلام آپ کو پہنچتا ہے۔

من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صوتہ حیث کان - اس دور و نزدیک سے آواز پہنچ جانے کا ذکر ہے۔ اور سنن ابن ماجہ میں بروایۃ عبد اللہ بن مسعود فانکم لا تدرون لعل ذلک یعرض علیہ اور سنن نسائی میں بروایۃ عبد اللہ بن مسعود ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام بلفظ یبلغونی بغیر لعل کے مذکور ہے اور سنن ابن ماجہ میں بلفظ لعل مذکور ہے۔ تو اس حالت کے ہوتے ہوئے حدیث اضطراب سے خالی نہیں پھر قلتین کی حدیث میں قلتین اور کسی روایت میں قلتین او ثلثا آگیا۔ تو مضطرب المتن کہہ دی اور اس کی اسناد میں کہیں محمد بن عباد بن جعفر آیا اور اس کی جگہ کسی نے محمد بن جعفر بن الزبیر کہہ دیا۔ تو مضطرب الاسناد کہہ دی اور اسی طرح اوپر میں کہیں عبد اللہ مکبر اور کہیں عبید اللہ مصغر کا فرق ہوا۔ تو یہ دوسرا اضطراب السند کہہ دیا اور شعبہ نے اخفاء آمین کی حدیث میں ابن العنبس کی جگہ ابو العنبس کہہ دیا (حالانکہ سفیان بھی ابو داؤد کی روایت میں شعبہ کی طرح اس راوی کو ابو العنبس ہی کہتا ہے۔) تو امام بخاری نے جرح کر دی کما ہو المعروف عند المحدثین اور اس حدیث میں اتنا شدید اختلاف ہو اور اضطراب ہو۔ اس کا کیا معنی ہے۔ بظاہر اسی اضطراب کے پیش نظر شیخین نے اس حدیث کو اپنے صحیحین میں نہیں لیا۔ اس کے باوجود بھی اس سے جو مشترک بلوغ صلوٰۃ وسلام الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلتا ہے آمنا وصدقنا۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ کلیۃً پہنچنا تو بلحاظ اثر اور ثمرے اور نتیجے کے ہے جیسے:۔ اذا قال السلام علینا

سو اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ان روایات ... کا راوی صحابی ... ہے بلکہ یہ کہتا ہوں۔ کہ یہ واقعہ ایک ہے اور یہ ساری ... روایات ایک واقعہ کے متعلق ہیں اور ان میں جو اختلاف ہے وہ دیکھیے۔ ... الطالبین میں بروایۃ ابی امامہ فان صلوٰۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم ... (پیش کیا جاتا) فی کل یوم (ہر دن)، کا ذکر حصن حصین ... یصلی علیّ احد یوم الجمعۃ الا عرضت علیّ۔ اس میں تخصیص ... یوم جمعہ کی ... ابن ماجہ میں ہے فان صلوتکم معروضۃ علیّ۔ اور ... احد ان یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلوتہ حتی یفرغ منہا ... اس میں نہ کل یوم کا ذکر ہے نہ یوم جمعہ کا اور سنن ابی داؤد میں ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام۔ اس میں بوقت تسلیم رد روح طیبہ کا ذکر ہے اور امام احمد نے روایت کی ما من احد یسلم علیّ قبری الا رد اللہ علیّ روحی فارد علیہ السلام۔ اس میں رد روح اور علیّ قبری دونو کا ذکر ہے اور ... فی شعب الایمان اور اصبہانی فی الترغیب میں بروایۃ ابی ہریرۃ من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا بلغتہ اس میں عند قبر اور دور از قبر کا فرق مذکور ہے وفی تاریخ البخاری بروایۃ عمار مرفوعا ان اللہ تعالیٰ ملکا اعطاہ اسماع الخلائق قائم علیّ قبری فما من احد یصلی علیّ صلوٰۃ الا ابلغنیہا اس میں ایک فرشتہ کا ذکر ہے جو صلوٰۃ پہنچاتا ہے اور طبرانی میں ...

وعلى عباد الله الصالحين اصاب كل عبد صالح في الارض او في السماء
اور لعینہ صلوٰۃ کے الفاظ پہنچانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور کسی وقت وہ بھی پہنچا دے
تو بعید نہیں مگر اس اضطراب فی الحدیث کے ہوتے ہوئے تبلیغ الفاظ کا کلیہ
ثابت کرنا مشکل ہے واللہ اعلم۔ پر سوال یہ ہے کہ اسے حیاۃ دنیویہ سے کیا تعلق
کیا حیات برزخیہ میں یہ نہیں ہو سکتا شہداء بئر معونہ نے جو کہا تھا۔ بلغ عنا
نبینا انا لقینا ربنا فرضی عنا و رضینا عنہ وہ اس وقت دنیا میں تھے
یا برزخ میں بحیاۃ دنیویہ تھے یا برزخ میں بحیاۃ برزخیہ تھے۔ اصل بات یہ
ہے کہ احکام کی احادیث کی طرف تو ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث نے پوری
چھان بین کی اور بال کی کھال اتار کر رکھ دی۔ اور ادھر فضائل اعمال کے
باب میں صوفیہ کرام نے ایک کلیہ تو یاد رکھا کہ فضائل اعمال میں حدیث
ضعیف بھی مقبول ہوتی ہے اور اذا وقع صوفی فی الاسناد فاغسل
یدیک عنہ کو بھی نہ دیکھا۔ اور در ایں جا قول ثانی در باقی باید نہ قول شبلی و
جنید کی طرف بھی نہ توجہ کی اور پھر ہمارے زمانے کے مدرسین اور صاحبزادگان
کی باری آئی۔ جو رہی کسر تھی وہ انہوں نے نکال دی فضائل کی احادیث
عقائد میں پیش کرنے لگے اور یہ بھی نہ دیکھا کہ علماء عقائد نے تصریح کی ہے کہ خبر
واحد عقائد میں حجت نہیں ہو سکتی اور علماء اصول کی تصریح موجود ہے کہ خبر
واحد کی حجیت کے لیے یہ شرط ہے کہ اس مسئلہ میں المحاجہ، الاختلاف بین الصحابہ
و ترک الاحتجاج بہ پیش نہ آیا ہو۔ ولم یظہر من الصحابۃ الاختلاف
والترک الاحتجاج بہ (حسامی) اور کسے نہیں معلوم کہ حضرت امیر عمر اور

حضرت صدیق اکبرؓ کے درمیان اختلاف ہوا۔ اول الذکر آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی حیات کے اور ثانی الذکر موت کے قائل ہوگئے اور صحابہ کرام
کا جم غفیر موجود تھا اور کسی نے بھی اس وقت ان احادیث سے احتجاج نہیں
کیا مگر آج وہ عقائد اور اصول کی کتب صرف پڑھنے پڑھانے کے لیے رہ گئیں
اگر لیڈر اور واعظ قسم کے مولوی علماء محققین کی ان تحقیقات تدقیقات
تاکیدات کو نظر انداز کرتے تو دکھ نہ ہوتا، دکھ تو اس سے ہے کہ اچھے بھلے مدرسین
معلمین انک میت و انہم میتون میں میتون کا میت پر عطف بنا کر
تغایر بین المعطوف والمعطوف علیہ باعتبار تنوع موت بنا رہے ہیں حالانکہ
ایک طفل مکتب بھی جانتا ہے کہ یہاں عطف مفرد علی المفرد نہیں بلکہ پورے
جملہ انہم میتون کا عطف پورے جملہ انک میت پر ہے اور ان میں
تغایر ثابت کرنے کے لیے تغایر فی المسند الیہ کافی وافی ہے بلکہ حقیقت
میں ان کا تغایر ہی تغایر مسند الیہ سے ہے جیسے :- غدوها شهر و
رواحها شهر ؎

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

اور کبھی یہ حضرات حیوٰۃ دنیویہ ثابت کرنے کے لئے حضرت انسؓ کی روایت
پیش کرتے ہیں مرفوع الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون رواہ البیہقی۔ اس
کے متعلق عرض ہے کہ قبر نام ہے عالم برزخ کا لہٰذا قبر میں نماز پڑھنے سے قبر
(عالم برزخ) میں حیات ثابت ہوئی یا دنیا میں اس کی مثال ایسے ہے جیسے
لاہور میں کسی نے لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور یہ خیال کر لیا کہ نماز صرف لاہور

ہی پڑھی جاتی ہے۔ یا یہ خیال کر لیا کہ جہاں نماز پڑھی جائے وہ لاہور ہی
ہے۔ پھر کراچی گیا اور لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو خیال کر لیا کہ یہ لاہور ہوگا ورنہ
ورنہ تبرکستان شریعت میں دنیا کا نام ہے نہ نماز پڑھنا فرحت قلبی کے لئے
دنیا کے ساتھ مختص ہے دنیا کے ساتھ تو مختص ہے نماز فرض تکلیفی کیا وہاں انبیاء
علیہم السلام پر نماز فرض ہے۔ اگر فرض ثابت کر دیں تو آپ کی بات بن جائے
گی۔ اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ نماز میں رکوع سجود قیام سب جسم سے ہوتے ہیں
آپ ہی بتلائیں۔ کہ شیخ اکبر، شاہ ولی اللہ، سید آلوسی، شاہ عبدالعزیز
نور اللہ مراقدہم کی طرف سے اب تک آپ کو اس سوال کا جواب نہیں ملا
اگر اب تک تسلی نہیں ہوئی تو سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور عبارت
ملاحظہ فرمائیں۔ روح المعانی ص ۱۹ پ ۲ وان شئت قلت بتمثل الروح
نفسها صورة لان الارواح فی غاية اللطافة وفيها قوة التجسد كما
يشعر به ظهور الروح الامين عليه السلام بصورة دحية الكلبي
رضی اللہ تعالی عنه واما نقول بحياة هذا الجسد الرميم قلت
وهذا فی غير الانبياء عليهم السلام واما الانبياء عليهم السلام
فان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء وان كان صلوتهم
فی القبور على نهج ما ذكرت مرارا) مع هدم بنية وتفرق اجزاء
وذهاب هيئة وان لم يكن ذلك بعيدا عن قدرة من بدا
الخلق ثم يعيده لكن ليس اليه كثير حاجة ولا فيه مزيد فضل
ولا عظيم منة بل ليس فيه سوى ايقاع ضعفة

المومنين ۔ الشكوك والاوهام وتكليفهم من غير حاجة بالايمان
بما يعدون قائله من سخفة الاحلام۔ اور مناسب ہے، کہ یہاں حافظ
ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت بھی ہدیہ ناظرین کر دی جائے جو اس
حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔
زاد المعاد ص ۴۹/۲ج میں فرماتے ہیں۔ فالانبياء انما استقرت ارواحهم
هناك بعد مفارقة الابدان وروح رسول الله صلى الله عليه وسلم صعدت
الى هناك فی حال الحيوة ثم عادت وبعد وفاته استقرت فی الرفيق الاعلى
مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به
بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق راى موسى قائما
يصلی فی قبره وراه فی السماء السادسة ومعلوم انه لم يعرج بموسى
من قبره ثم رد اليه وانما ذلك مقام روحه واستقرارها وقبره مقام
بدنه واستقراره الى يوم معاد الارواح الى اجسادها فراه يصلی فی
قبره وراه فی السماء السادسة كما ان صلى الله عليه وسلم فی ارفع
مكان فی الرفيق الاعلى مستقرا هناك وبدنه فی ضريحه غير مفقود
واذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام ولم
يفارق الملأ الاعلى ومن كثف ادراكه وغلظت طباعه عن
ادراك هذا فلينظر الى الشمس فی علو محلها وتعلقها وتاثيرها
فی الارض وحياة النبات والحيوان بها هذا وشان الروح فوق
هذا فلها شان وللابدان شان وهذه النار تكون فی محلها و

حوار تہا تو ثر فی الجسو البعید عنها مع ان الارتباط والتعلق الذی بین الروح والبدن اقوی و اکمل من ذلك و اتم فشان الروح اعلیٰ من ذالك والطف انتهٰی۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ارواح طیبہ بعد مفارقۂ ابدان، رفیق اعلیٰ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح طیبہ بھی بعد الوفاۃ بدن سے مفارقہ کر کے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں جا ٹھہری۔ اور بدن مبارک ضریح (قبر) میں ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح طیبہ رفیق اعلیٰ میں ہے اور بدن ضریح میں اور معراج کی رات جو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بدن مبارک تو قبر سے نکل کر وہاں نہیں چلا گیا تھا وہ تو یقیناً قبر میں رہا اور روح وہاں چھٹے آسمان پر تھی اور اسی طرح جب قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو اس وقت بھی بدن قبر میں تھا۔ اور روح چھٹے آسمان پر تھی۔ پھر یہ قبر میں بھی پورا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چھٹے آسمان پر بھی پورا حضرت موسیٰ علیہ السلام دکھائی دینے کا راز کیا ہے تو فرماتے ہیں، جیسے سورج کا عالم علوی میں ہوتے ہوئے عالم سفلی سے تعلق ہے اسی طرح روح کا وہاں سے یہاں کے بدن سے تعلق ہے اور ہر دو اپنی اپنی جگہ پر بدن قبر میں اور روح چھٹے آسمان میں اس تعلق ما بینہما کی وجہ سے قبر میں بھی پورا موسیٰ علیہ السلام دکھائی دیا۔ اور چھٹے آسمان میں بھی۔ اور اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن قبر میں ہے اور روح طیبہ رفیق اعلیٰ میں اور پھر روح کا بدن پر اشراق ہے جیسے سورج کا عالم سفلی

پر تیلا دیہ حیات دنیویہ بنے گی یا برزخیہ الخ اگر اس عبارت کو بھی کوئی حیات دنیویہ پر حمل کرنے کی ناکام کوشش کرے تو اسے ہے اس کی شرح ابن القیم کی اپنی زبانی سن لینی چاہیے۔ وہ قصیدہ نونیہ صـ۱۴۱ میں فرماتے ہیں۔

لو کان حیا فی الضریح حیاتہ — قبل الممات بغیر ما فرقان

ما کان تحت الارض بل من فوقھا — واللہ ھذا سنۃ الرحمان

اتراہ تحت الارض حیا ثم لا — یفتیھم بشرائع الایمان

ویریح امتہ من الاراء — والخلف العظیم وسائر البھتان

ام کان حیا عاجزا عن نطقہ — وعن الجواب لسائل لھفان

وعن الحراك فما الحیوۃ اللاتی — قد اثبتموھا اوضحوا ببیان

اور اسی کتاب کے صـ۱۴۲ میں فرماتے ہیں۔

ولقد اتوا یوما الی العباس — یستقون من قحط وجدب زمان

ھذا وبینھم وبین نبیھم — عرض الجدار وحجرۃ النسوان

فنبیھم حی ویستقون غیر نبیھم حاشا اولی الایمان

اور کبھی بعض حضرات اس مسئلہ میں تفسیر مظہری کا حوالہ بھی دیتے ہیں لہٰذا اس کا جواب بھی تفسیر مظہری کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی زبانی سن لیں۔ وہ اپنی کتاب ارشاد الطالبین صـ۲۵ میں فرماتے ہیں حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ کہ صحابہ کرام بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیعت ابا بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کردند۔ مقصود ازیں بیعت فقط امور دنیا نبود۔ بلکہ کسب کمالات باطنی ہم بود۔ اگر کسے گوید کہ فیض اولیاء

بعد موت آنہا باقیست پس طلب کردن شیخ دیگر عبث است گفتہ شود کہ فیض اولیا
بعد موت آن قدر نیست کہ ناقص را بدرجہ کمال رساند الا نادر۔ اگر فیض بعد موت
ہماں قسم باشد کہ در حیات باشدہ پس تمام اہل زعصر پیغمبر خدا تا ایں وقت
برابر اصحاب باشند نیز ہیچ کس محتاج صحبت اولیا نباشد چگونہ فیض
مردہ مثل زندہ باشد کہ در مفیض و مستفیض مناسبت شرط است و آن بعد
وفات مفقود"۔

بتلائیے! یہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کو بعد از وفات زندہ بحیٰوۃ دنیویہ تسلیم کر رہے ہیں۔ اب یہاں قرطبی
رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارۃ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ الموت لیس بعدم
محض وانما ھو انتقال من حال الی حال رای من حال الدنیا الی
حال الاخرۃ) ویدل علیہ ان الشھداء بعد قتلھم وموتھم احیاء
عند ربھم یرزقون فرحین مستبشرین وھذہ صفۃ الاحیاء
فی الدنیا اذا کان ھذا فی الشھداء فالانبیاء احق بذلک واولی
فرماتے ہیں۔ موت عدم محض نہیں بلکہ وہ حال دنیا سے حال آخرت کی طرف
انتقال کا نام ہے۔ پھر جو صفات حیات دنیا کی ہیں، کھانا، پینا، خوش ہونا
جب شہداء کو وہاں عند ربہم حاصل ہیں تو انبیاء علیہم السلام اس سے زیادہ مستحق
اور اولیٰ تر ہیں۔ کہ یہ حیات بایں صفات ان کو وہاں (عند ربہم) حاصل ہو
اب بہ انصاف ناظرین کریں کہ قرطبی اس عبارت سے حیات دنیویہ ثابت
کر رہے ہیں یا یہ کہہ رہے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو وہاں عند ربہم دنیا

حاصل ہے اس میں کھانا پینا وغیرہ حیات دنیا کی صفات شہداء سے بھی اولیٰ
اور بہتر ہونی چاہئیں۔ اور یہی تو مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ کہ حیات اخروی میں
کھانا پینا حوروں سے صحبت کرنا خوشی فرحت دنیا سے بدرجہا زیادہ ہوگی
اور یہی تو ہم کہتے ہیں کہ انہیں اعلیٰ (وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان
کے حاصل ہوتے ہوئے اس ادنیٰ حیات دنیا کی کیا ضرورت۔ اور کبھی یہ حضرات
حیاۃ دنیویہ ثابت کرنے کے لئے حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت پیش کرتے
ہیں۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول والذی
نفسی بیدہ لینزلن عیسی بن مریم ثم لئن سلم علی لاجبتہ
وفی نسخۃ ثم لئن قام علی قبری قال یا محمد لاجبتہ، عیسی بن مریم
علیہما السلام) ضرور آسمان سے اتریں گے پھر اگر انہوں نے مجھے سلام دیا تو
میں اس کا جواب دوں گا۔ اور اگر میری قبر پہ کھڑے ہو کر یا محمد کہا تو میں جواب
دوں گا۔" اب آپ ہی انصاف کریں کہ اس حیات دنیویہ سے کیا تعلق۔ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم بحیات دنیا بجسد عنصری معراج پر تشریف لے گئے آدم علیہ
السلام سے کلام ہوئی یوسف علیہ السلام سے، ہارون علیہ السلام سے، موسیٰ علیہ
السلام سے، ابراہیم علیہ السلام سے آپ کی اس وقت حیاۃ دنیویہ تھی اور ان حضرات
کی برزخیہ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بحیاۃ دنیویہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحیاۃ
برزخیہ سے ہم کلام ہوں تو آپ کی حیاۃ دنیویہ بن جائے گی اور رفیق اعلیٰ کو
چھوڑ آئیں گے۔ جس کی رحلت کے وقت دعا کرتے گئے بالرفیق الاعلیٰ۔
ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات اس واقعہ کو بھی پیش کریں۔ عن ابراہیم بن یسار

قال حججت في بعض السنين فجئت المدينة فتقدمت الى حجرة
رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلمت عليه فسمعت من داخل الحجرة
وعليك السلام۔ اول تو اس واقعہ کی کوئی صحیح سند پیش کریں اور پھر یہ
بتلائیے کہ قواعد کلیہ اور عقائد دین کی بنا واقعات جزئیہ (اور وہ بھی خرق عادات)
پر ہوسکتی ہے۔ اور کبھی یہ حضرات، حضرت سعید بن المسیب کا واقعہ پیش کرتے
ہیں۔ کہ ایام حرہ میں آپ بالالتزام مسجد نبوی میں رہے اور ہر نماز کے وقت
قبر شریف سے اذان یا ہمہمہ (کلام خفی) کی آواز آتی تھی۔ کیا عجیب طریق
استدلال ہے۔ حنفیہ نے کہا کہ اقتداء مفترض خلف المتنفل جائز نہیں بقاعدہ
الامام ضامن والمؤذن مؤتمن۔ اس پر سوال ہوا کہ جبرائیل علیہ السلام (جن پر نماز
فرض نہیں) کے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں پڑھیں اس کے
جواب میں من جملہ اجوبہ کے ایک جواب یہ دیا گیا۔ کہ واقعہ حال لاتعم یہ ایک
حال کا واقعہ ہے۔ جسے قاعدہ کلیہ نہیں بنا سکتے۔ حنفیہ کرام نے اذا اتیتم
الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولكن
شرقوا او غربوا۔ جب تم قضاء حاجت کو آؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ
پیٹھ کرو۔ ولیکن مشرق کی طرف منہ کرو یا کرو مغرب کی طرف (یہ مدینے والوں
کے لئے ہے) ایک قاعدے کے ماتحت کہا کہ قضاء حاجت کے وقت استقبال
قبلہ اور استدبار دونو منع ہیں۔ اس پر سوال ہوا۔ ابن عمرؓ کی روایت سے
ارتقيت فوق بيت حفصة فرأيت رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقضي حاجته، مستقبل الشام مستدبر الكعبة یعنی

حضرت حفصہ کے کوٹھے پر چڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری نگاہ
پڑی جب کہ آپ شام کی طرف منہ کر کے بیت الحرام کی طرف پیٹھ کر کے قضائے
حاجت کر رہے تھے۔ اس کے اجوبہ میں سے ایک یہ ہے کہ واقعہ حال لاتعم یہ
ایک حالہ کا واقعہ ہے۔ جسے عام قانون نہیں بنایا جا سکتا۔

حنفیہ نے حضرت عائشہ کی روایۃ (من حدثكم ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم كان يبول قائما فلا تصدقوه ما كان
يبول الا قاعدا) جو تمہیں یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے
پیشاب کرتے تھے۔ اسے سچا نہ کہنا۔ آپ صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے
تھے (کے پیش نظر یہ کہا کہ کھڑے پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ اس پر سوال وارد
ہوا کہ حضرت حذیفہ کی روایت سے جو کہتے ہیں اتی رسول اللہ صلی
الله عليه وسلم سباطة قوم فبال عليها قائما۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے سباطہ (گوبر وغیرہ کا ڈھیر) پر آئے اور
کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ اس کا جواب دیا واقعۃ حال لاتعم یہ ایک
حالۃ کا واقعہ ہے جسے عام قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ حنفیہ کرام نے کہ
شروط فاسدہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ نہی عن بیع وشرط کے پیش
نظر اس پر حضرت جابر کے قصۃ البعیر کے واقعہ سے کہ آپ نے نبی پر اونٹ
فروخت کیا اور مدینہ تک اپنی سواری شرط کی، سوال وارد ہوا اس کے
من جملہ اجوبہ سے ایک یہ کہ واقعہ حال لاتعم یہ ایک حالت کا واقعہ ہے جسے
عام قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ اور دوسرا سوال ہوا حضرت عائشہ کی

روایت ہے کہ بریرہ کو خریدا اور اس کے موالی کے لئے ولاء شرط کیا وقصہ مشہورہ مستفیضہ ۔ اس کا جواب یہ دیا کہ واقعہ حال لا تعم یہ ایک حالت کا واقعہ ہے جسے عام قانون نہیں بنایا جا سکتا ۔ حنفیہ نے کہا بدن سے خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔ اس پر سوال وارد ہوا ایک صحابی کے واقعہ سے جو نماز پڑھ رہا تھا ادھر سے ایک کافر نے دو تین بار تیر مارا اور اس کا خون زور شور سے نکلا اور اس نے اس حالت میں نماز پوری کی ۔ اس کا جواب دیا ۔ واقعہ حال لا تعم یہ ایک حالت کا واقعہ ہے جسے عام قانون نہیں بنایا جا سکتا ۔

الغرض فقہائے کرام زادہم اللہ شرفا وعزا نے احکام فرعیہ کے لئے دلائل کلیہ کو لیا اور واقعات جزئیہ سے استدلال نہ کیا ۔ ان کے لئے مختلف محامل نکالے ۔ خصوصیات پر حمل کیا ۔ وغیر ذالک ۔ اور اسی طرح وہ احکام دین کی حفاظت کرتے آئے ۔ اور ہم تک بلا کم و کاست پہنچائے اب ان حضرات کی باری آئی ۔ احکام فرعیہ کیا بلکہ عقائد شرعیہ کے لئے قوانین وضوابط شرعیہ ۔ آیات قرآنیہ ۔ احادیث صحاح نبویہ کو چھوڑ کر واقعات جزئیہ کو صرف دلیل ہی نہیں بنا رہے ۔ بلکہ اپنے تلامذہ صاحبزادگان اور عوام میں یہ ذہن پیدا کر رہے ہیں کہ ایسا ہی کیا جائے ۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا ۔ اور کیا ہو رہا ہے ۔ مودودیہ وغیرہ سے بڑھ کر آپ کا یہ طرز علوم حدیث اصول حدیث ۔ فقہ اور اصول فقہ اور عقائد کو نقصان پہنچا رہا ہے ۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں ۔ کہ آپ کے تلامذہ اور صاحبزادگان اپنے طرز عمل سے

بریلوی ملاؤں کا پورا نقشہ ثابت ہیں ۔ مورد نص میں قیاس کرنا ۔ نصوص قطعیہ کے خلاف قیاس سے کام لینا ۔ واقعات جزئیہ سے قوانین کلیہ پر استدلال کرنا ۔ بلا دلیل عام کی تخصیص کرنا ۔ حدیث صحیح اور غیر صحیح ضعیف اور غیر ضعیف مشہور اور واحد ، منکر اور معروف مرفوع اور موقوف میں امتیاز نہ کرنا یہ سب کچھ کر رہے ہیں ۔ اور علماء عقائد فقہاء اور محدثین کے قواعد اور ضوابط کو ایک ایک کر کے توڑ رہے ہیں ۔

اعلم بان الواجب اتباع ما ترجح عن اهل قد علما ۔ او کان ظاهر الرواية ولم يرجحوا خلاف ذالك فاعلم ۔ وكتب ظاهر الرواية اتت ۔ ستا وبالاصول ايضا سميت السير الصغير والكبير ۔ والجامع الكبير والصغير ۔ ثم الزيادات مع المبسوط ۔ تواترت بالسند المضبوط ۔ ما من يؤمن ان تكون له سماة قبوله خذ بالاصول ومن نصوص نبيه ورسوله ۔ نصا على سبب اتى ۔ بالساكت المجهوله ۔ دع ما يفوتك وجهه ۔ بابين المنقوله وخذ الكلام بغيره ۔ لا غرضه او طوله ۔ ليس الوقائع في شرائعه كمثل اصوله ۔ لتطرق الاعذار في فعل خلاف اصوله ۔

آپ سوچ کر فرمائیں کہ آپ یہ دلائل (واقعات جزئیہ) جو پیش کر رہے ہیں ۔ لیس الوقائع فی شرائعہ کمثل اصولہ ۔ لتطرق الاعذار فی فعل خلاف اصولہ ۔ اور پھر یہ ذہن جو آپ اپنے ان نوجوان تلامذہ

اور صاحبزادگان میں پیدا کر رہے ہیں۔ آپ یہ نیک کام سرانجام دے رہے ہیں۔ ہمیں حضرت نانوتوی مرحوم نور اللہ مرقدہ کی ایک چیز سمجھ میں آگئی کہ ایک لمحہ کے لئے بھی موت متعارف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری نہیں ہوئی؟ تو ہم نے آنحضرت مرحوم کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ اور اپنے لئے جمہور سلف صالحین صحابہ اور تابعین حضرت صدیق، فاروق اعظم، امیر عثمان حضرت علی۔ حضرت عائشہؓ۔ ابن مسعود۔ ابن عمر۔ امام ابو حنیفہ امام مالک، امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ امام مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز۔ سید آلوسی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی وغیرہم ممن لا تعد ولا تحصیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کی راہ تلاش کی۔ مگر آپ جوان لیاڈر۔ وعاظ و تلامذہ و صاحبزادگان کو تعلیم دے رہے ہیں۔ نصوص قطعیہ کے خلاف قیاس سے کام لینے کی۔ مورد نص میں قیاس کرنے کی بلکہ دین میں قیاس کرنے کی، قرآن کریم اور صحیحین کو چھوڑ کر مواہب اللدنیہ اور مدارج النبوۃ کو ام الکتاب کا درجہ دینے کی۔ اصول موضوعہ کلیہ کو چھوڑ کر وقائع جزئیہ کو قواعد کلیہ اور عقائد مرضیہ بنانے کی کیا یہ آپ دیوبندیت کی پاسبانی کر رہے ہیں۔ یا خود ان کے ساتھ نیکی کر رہے ہیں اگر ان کا یہ ذہن حسب تربیت آپ کے تیار اور کامل مکمل ہوگیا۔ تو یہ علماء بنیں گے یا قصہ گو وعاظ یا از قسم بریلوی ملاّ ؎

یکے بر سر شاخ بن می برید — خداوند بستان نگاہ کرد دید
بگفتا گر ایں مرد بد می کند — نہ با من کہ با نفس خود می کند

اب ایک اور دلیل بھی ان حضرات حیاۃ دنیویہ کہنے والوں کی سن لیں۔

روی ابن ابی بشر عن سنان بن حر عن ابیہ قال کنت ممن ادخل ثابتا البنانی فی قبرہ فوقعت لبنۃ اصلحہا فاذا بالقبر و فیہ ثابت یصلی فاطبقت اللبنۃ ثم سئلت اہلہ فقلت اخبرونی ما کان ثابت یسئل ربہ عز و جل فقالت کان یقول اللہم ان کنت اعطیت احدا الصلوٰۃ فی قبرہ فاعطنی ذلک۔ اس کا حاصل یہ کہ ثابت بنانی رح کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو اس کے گھر والوں سے پوچھا کہ ثابت کیا دعا کیا کرتا تھا۔ اس کی زوجہ نے بتلایا کہ وہ یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ اگر کسی ایک کو تو نے قبر میں نماز پڑھنے کا موقع دینا ہے تو مجھ کو دے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ ثابت بنانی نہ نبی ہیں نہ شہید ایک مومن صالح ہیں اگر اس سے حیات دنیویہ ثابت ہوتی ہے تو صاف کہئے کہ سارے مومن بعد از موت حیاۃ دنیویہ سے زندہ ہیں پھر نبی اور شہید کی تخصیص کیا پھر کیا اس میں شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز سید آلوسی کی تحقیق جاری نہیں ہو سکتی کہ حضرت ثابت کی روح متمثل بجسد نظر آرہی ہو مگر آلوسی قائما یصلی فی قبرہ میں وہ ساری تحقیقات ان محققین کی جاری ہو سکتی ہیں تو حضرت ثابت میں جاری کرنے سے کونسا مانع پھر یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے حضرت ثابت کی کرامت ہے انہوں نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کو برزخ میں نماز پڑھنے کا موقعہ دیا۔ اور یہی ان کی دعا تھی ورنہ دنیا اور حیات دنیا میں تو ہر ایک کو نماز پڑھنے کا موقع حاصل ہے۔ بغیر دعا کے اللہ تعالیٰ نے

پانچ نمازیں فرض کر دیں۔ بہر دی صورت بھی ہو بہر حال ہے تو واقعہ جزئیہ جو قانون کلی نہیں بن سکتا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو ٹخنوں پر ازار لٹکانا جائز تھا۔ کیا وہ قانون کلی بن گیا۔ سلیک غطفانی کو خطبہ جمعہ کے وقت دو رکعت نماز نفل پڑھنے کی اجازت ہوئی پھر کیا وہ قانون کلی بن گیا۔ حضرت خزیمہ ایک کی شہادت قائم مقام دو کے تھی ۔ کیا وہ قانون کلی بن گیا۔ حضرت طلحہ اور زبیر کو ریشمی قمیض پہننے کی اجازت ہوئی ۔ اسے قانون کلی بنا لیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر سے اونٹ خریدا اس نے شرط کر لی کہ مدینے تک سواری میں کروں گا۔ اسے آپ قانون کلی بنا لیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر تشریف لے گئے ۔ کیا دوسرے انسان بھی آسمان پر جا سکتے ہیں ایک شخص سُرّق نامی حر (اصیل) کو بیچ دیئے کو آپ نے فرما دیا تھا کیا دوسرے احرار بھی فروخت ہو سکتے ہیں ۔ جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی اور آپ نے جبرئیل علیہ السلام کی اقتدار کی۔ کیا اس سے جواز اقتدار مفترض خلف المتنفل کا کلیہ استنباط کر سکتے ہیں ۔ حضرت خضر علیہ السلام جس کشتی پر سوار ہوئے تھے اسے پھاڑ ڈالا۔ کیا آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں ۔ ایک شخص کو چھ مہینے سے کم بکری کی قربانی کی اجازت ملی تھی کیا آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں ۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں ؎

یکے دیدم از عرصۂ رودبار
کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار

میں نے رودبار کے میدان میں ایک آدمی چیتے پر سوار دیکھا۔ کیا آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں ۔ اور ایک اور شخص کو دیکھا جس کے متعلق کہتے ہیں ؎

بگسترد سجادہ بر روئے آب
خیالست پنداشتم یا بخواب

میں نے ایک بزرگ دیکھا جو پانی پر مصلیٰ بچھا کر جا رہا تھا کیا ہر ایک مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ عمرو بن سلمہ نابالغ نے فرائض میں اپنی قوم کی امامت کرائی تھی کیا آپ دوسرے نابالغوں کو یہ اجازت دیں گے۔ (احناف سے بات ہو رہی ہے) اہل جوائی نے ایک چھوٹی بستی (لوسلم) میں جمعہ قائم کیا تھا۔ کیا آپ اسی کا فتویٰ دیا کرتے ہیں اور اسی طرح کے بیسیوں وقائع جزئیہ ملیں گے تو یہ نماز حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کی کرامت پر محمول رہے گی۔ نہ کہ ضابطہ بن جائے گی۔ وقائع جزئیہ سے ضوابط کلیہ نکالنے کا ٹھیکہ آگے اہل بدعت نے لے رکھا تھا۔ اب آپ بھی ان کے ہمنوا بن گئے۔ خدا حافظ اور پھر اس واقعہ سے حضرت ثابت بنانی کی حیات برزخیہ ثابت ہوئی یا دنیویہ۔ اگر کوئی کہہ دیں کہ حیات برزخیہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ حیات برزخیہ اپنے ایک بندے کو ان کی کرامت کے طور دکھا دی تو اس میں کونسا حرج ہے۔

اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ شہداء کو بنص صریح برزخ میں زندگی حاصل ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو بدلالۃ النص برزخ میں زندگی حاصل ہے شہداء سے افضل و اعلیٰ کے ہوتے ہوئے اس ادنیٰ کی کیا ضرورت۔ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ اللہ تعالیٰ نے مومن سے ان کے انفس اور اموال کے عوض جنت دینے کا وعدہ فرمایا ہے حیوٰۃ دنیویہ پھیر دینے کا وعدہ نہیں فرمایا۔ یعلمون ظاہرا من الحیوٰۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غافلون۔ حیوٰۃ دنیا کی ظاہری خوبیوں کو جانتے ہیں اور وہ آخرت (اعلیٰ اولیٰ

ارفع وافضل، اجمل واکمل، خوبیوں سے بے خبر ہیں۔ بات سمجھ آگئی کہ ابھی نہیں آئی۔
اور قرآن کریم سے حیوٰۃ دنیویہ کی حیات آخرت پر قوت و فضیلت اور اولویت کا
کوئی نشان پتہ بھی کہیں سے بتلا سکتے ہیں۔ فاتوا بآیۃ من کتاب اللہ ان
کنتم صادقین !

کیا آپ جو عوام میں، لیپنے تلامذہ میں، اپنے صاحبزادگان میں حیوٰۃ دنیا کی تربیت
اور فوقیت کا نظریہ پیدا کر رہے ہیں۔ یہ سارے قرآن کریم تیس پارے ۱۱۴ سورتوں کے
خلاف نہیں۔ آپ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک تفرد کا
خلاف کر کے دیوبندی نہیں رہے۔ کیا حضرات اکابر دیوبند نور اللہ مرقدہم نے
آپ کو دیوبندیت کا مدار اور محور یہی ایک مسئلہ بتلایا تھا ؎

ز سنت نہ بینی در ایشاں اثر — مگر خواب پیشین و نان سحر

اکابر و مشائخ دیوبند کو کھلے بازار گالیاں دی جائیں، مغلظات بولے جائیں،
حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر بعض بلند عین و نگدار بیان دیں
آپ ٹس سے مس نہیں کرتے، ہم نے ایک جزئیہ میں خلاف کیا تو آپ نے آسمان سر پر
اٹھالیا۔ اور ایک پوری مہم کا آغاز کر دیا۔ گویا دیوبندیت کا معیار، مدار اور محور
یہ ایک ہی جزئیہ رہ گیا۔ کہتے ہیں ایک شخص اپنے سسرال چلا تو گھر والوں نے کہا،
میاں وہ جو نمک پانی دیں کھا لینا۔ چنانچہ وہ سسرال پہنچا انہوں نے پلاؤ، کورمے
اور زردے سے تواضع کی یہ کہنے لگا میں تو نمک پانی ہی کھاؤں گا۔

قبر پرستی، پیر پرستی، نذر لغیر اللہ، ندا غیر اللہ سے روکنا۔ اشاعت
توحید، ترویج سنت کو دیوبندیت میں کوئی دخل نہیں بس دیوبندیت

اسی ایک جزئیہ میں محصور، محدود، اور منحصر ہو کر رہ گئی۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما۔ ہم دیوبندی رہیں یا بقول آپکے
خارج ہو جائیں۔ آپ اپنے ان واعظین، لیڈر اور صاحبزادگان کی جس ڈھب
پر تربیت کر رہے ہیں۔ اس پر دیوبندیت ضرور قائم رہے گی۔

کہتے ہیں ملا دوپیازے نے کہا ہے اعوذ باللہ من البان والکان
(کوچبان، گاڑی بان شاہزادگان، صاحبزادگان) اور میں نے اس کے
ساتھ (و من لیاڈر و وعاظ ھذا الزمان) کا ایک فقرہ اضافہ کر دیا۔ آپ
ہماری دیوبندیت کا فکر نہ کریں۔ بلکہ ان نوجوانوں کے ذہن و عقائد کی خیر منائیے جو
کل آپ کی حسب تربیت سٹیج پر کھڑے ہو کر ایک ایک واقعہ جزئیہ پر علم کلام کے کلیات
اور عقائد بنایا کریں گے۔ نصوص قطعیہ کے خلاف قیاس پیش کریں گے۔ بمورد نص
میں قیاس کریں گے علوم نقلیہ کے مسائل کی بنا کر صرف دلائل عقلیہ پر رکھیں گے
مواہب اللدنیہ، مسند عبد الرزاق، مسند فردوس دیلمی اور مدارج النبوۃ کو بخاری
و مسلم پر ترجیح دیں گے۔ قیاس فی اللغۃ کریں گے۔ بلا دلیل عام کی تخصیص کریں گے
الی مالاتعد ولاتحصی۔ یہ ان کے اصول ہوں گے پھر فروع کے متعلق کیا پوچھنا ہے
قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ اور یہ ساری دیوبندیت ہوگی۔ مگر
آپ کی ایجاد کردہ نہ حضرات اکابر و مشائخ کی جو مایعرفن من الغلس
میں کہتے ہیں من الغلس مدرج من الراوی ہے۔ فانہ دم اسود (باب
الاستحاضۃ) کے متعلق کہتے ہیں مدرج من الراوی ہے۔ ولیضع یدیہ
قبل رکبتیہ (باب السجود فی الصلوٰۃ) میں کہتے ہیں بقول ابن القیم اس میں

قلب واقع ہوا۔ کلما مرت اولاھا ردت علیہ اخراھا (باب زکوٰۃ الابل)
میں کہتے ہیں قلب واقع ہوا ہے۔ ان ابن ام مکتوم یؤذن بلیل فکلوا و
اشربوا حتی یؤذن بلال میں قلب واقع ہوا ہے۔ ذکروا النار و الناقوس
فذکروا الیہود والنصاریٰ۔ میں کہتے ہیں اختصار (مخل) واقع ہوا۔
الوتر حق فمن شاء اوتر بخمس فلیفعل و من شاء اوتر بثلاث
فلیفعل و من شاء اوتر بواحدۃ فلیفعل میں کہتے ہیں الوتر حق
مرفوع ہے۔ اور بقیہ تمام کا تمام ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر موقوف
ہے۔ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب پوری حدیث نہیں بلکہ عبادہ بن الصامت
کی لمبی حدیث کا ایک فقرہ ہے۔ لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ
خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں الطواف بالبیت صلوٰۃ
خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں قضی بشاھد و یمین
البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر کا کلیہ نہیں توڑ سکتے
معاذ بن جبل کی صلوٰۃ مرتین فی وقت واحد سے الامام
ضامن کا قاعدہ نہیں توڑ سکتے اور لولاک لما خلقت الافلاک
موضوع ہے اور اسی طرح لولا علی لما خلق اللہ النبیین والملائکۃ
کی اصل نہیں۔ (ان دونو کے لئے تحفہ اثنا عشریہ کید شصت و پنجم
طبع ۱۲۲۵ھ)۔

الغرض اکابر و مشائخ وہ تھے جنہوں نے احادیث نبویہ کے ایک ایک
فقرے کو اس پر محل پر اتارا۔ آج آپ ہیں کہ نصوص قرآنیہ سب حیوٰۃ

اخرویہ کو حیات دنیویہ پر فوقیت دیتی ہیں۔ ترجیح دیتی ہیں۔ اس کی اس سے بدرجہا
قوۃ اور فضیلت بیان کرتی ہیں۔ مگر آپ وہاں بھی اہل اللہ کے لئے بھی
حیات لئے پھرتے ہیں۔ اگر نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ
صدقۃ فرما کر وہ مال و متاع دنیا سے اپنی لاتعلقی بتلاتے ہیں۔ جس کے لئے
ذخیرہ احادیث شاہد ہے۔ تو آپ اس کا الٹ کر کے عام لوگوں سے بھی ان کا
زیادہ تعلق اور لگاؤ مال و متاع دنیا سے ثابت کر دیتے ہیں۔ جو مالی وللدنیا
وما انا والدنیا کی پکار دے رہے ہیں۔ کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح
وترکھا۔ کی آواز دے رہے ہیں۔ وہ ترکھا نہ لکھا کہہ رہے ہیں اور آپ
ان کے ذمے ملکھا ملکھا لگا رہے ہیں۔

رضوا بالحیوٰۃ الدنیا واطمئنوا بھا۔ یستحبون الحیوٰۃ الدنیا
علی الآخرۃ۔ اللہ والوں کی صفات نہیں اور نہ حیوٰۃ دنیا میں اس حیاۃ
اخرویہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہیں کوئی بہتری رکھی ہے۔
اللہ والے یود احدھم لو یعمر الف سنۃ کی صفۃ سے پاک مبرا اور
منزہ ہیں۔ بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقیٰ کا
خطاب دنیاداروں کو ہے۔ اللہ والے وللآخرۃ خیر لک من
الاولیٰ کے مخاطبین ہیں۔ ذلک بانھم استحبوا الحیوٰۃ الدنیا
علی الآخرۃ ان کے حق میں نہیں۔ وہ اس صفۃ سے منزہ اور پاک
ہیں۔ ان کو تو خطاب ہے۔ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوٰۃ
الدنیا کا۔ وہ المال والبنون زینۃ الحیوٰۃ الدنیا والباقیات

الصالحات خیر عند ربک کو خوب جانتے ہیں۔

آپ ان کے لئے وہاں حیات دنیویہ ثابت کر کے ان پر احسان نہ کریں۔ ان کو آپکے اس احسان سے الرفیق الاعلیٰ بدرجہا بہتر دکھائی دیتا ہے۔ کہتے ہیں کسی بڑے افسر نے کسی جاٹ کا کام کر دیا وہ دعا دینے لگا۔ کہ اللہ تعالیٰ تجھے پٹواری بنادے۔ اللہ کے بندو جو حیوٰۃ اخرویہ، نعیم اخرویہ اللہ تعالیٰ نے قبل ادخل الجنۃ فرماکر انہیں عطا فرمائی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں حیوٰۃ دنیویہ کیا اور فرحت و قوۃ دنیا کیا حیثیت رکھتی ہے۔

وہ تو بل تحبون العاجلۃ و تذرون الآخرۃ کے مخاطبین نہیں بلکہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ کا مصداق ہیں۔ وما اوتیتم من شیٔ فمتاع الحیوٰۃ الدنیا وزینتہا سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ما عند اللہ خیر و ابقیٰ کو چاہتے ہیں۔ انما ھذہ الحیوٰۃ الدنیا متاع کو پسند نہیں کرتے بلکہ وان الآخرۃ ھی دار القرار کو اختیار کرتے ہیں۔ حیات دنیا بذات خود کوئی بہتر نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی بلکہ قرآن کریم کو اول سے لے کر آخر تک دیکھو۔ جا بجا اس کی مذمت کی اس کو ضعیف متاع [illegible] قرار دیا۔ اس میں اگر حسن آئے تو اہل اللہ کی طرف اضافہ کرنے سے [illegible] یہ حیات اہل اللہ بنی اور وہ حسن لغیرہ ہے۔ لذاتہ نہیں ورنہ حیات دنیا مطلق الحیوٰۃ بشرط شیٔ من حیث ہی ہی کے درجے میں کوئی حسن کوئی خوبی اور کوئی قوت نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس حیوٰۃ اخروی بذات خود مطلق الحیوٰۃ لابشرط شیٔ من حیث ہی ہی کے درجے میں احسن و افضل

اعلیٰ بادنیٰ اور ارفع لذاتہ ہے۔

پھر جب یہ اہل اللہ کی طرف مضاف ہو کر حیات اہل اللہ بنے گی۔ تو اس کا حسن دوبالا ہو جائے گا۔ جس کے ہم قائل ہیں۔ اور اول الذکر کے قائل آپ ہیں۔ فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روح طیبہ کا مقام اور بعد الحشر روح مع الجسد الشریف کا مقام بھی آپ کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری الصحیح للبخاری کی حدیث مرفوع صحیح متصل الاسناد سے تبلا دیتے ہیں۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵

والدار الاولی التی دخلت دار عامۃ المومنین واما ھذہ الدار فدار الشھداء وانا جبرئیل وھذا میکائیل فارفع راسک فرفعت راسی فاذا فوقی مثل السحاب قالا ذلک منزلک فقلت دعانی ادخل منزلی قالا انہ بقی لک عمر لم تستکملہ فلو استکملت اتیت منزلک۔ اور وہ پہلی دار جس میں آپ داخل ہوئے عام مومنین کی تھی۔ اور یہ شہداء کی دار ہے اور میں (متکلم کہہ رہا ہے) جبرئیل ہوں اور یہ (میرا ساتھی) میکائیل ہے۔ پس آپ سر اٹھا کر اوپر دیکھیں۔ چنانچہ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ تو اپنے اوپر بادل کی مانند ایک جگہ دکھائی دی۔ انہوں نے کہا یہ (سب مومنین سے اوپر سب شہداء سے اوپر) ہے تیرا گھر تو میں نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے گھر جاؤں۔ انہوں نے کہا۔ تیری عمر کا کچھ حصہ باقی ہے۔ جو تو نے پورا نہیں کیا۔ پس اگر تو نے وہ (اپنی عمر کا بقیہ حصہ) پورا کر لیا ہوتا۔ تو تو نے یہیں آنا تھا۔ اور اب وہ عمر بھی تبلا دیتے ہیں جو پوری کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان عالی میں تشریف لے گئے۔

شمائل ترمذی ص۲۸ از ابن عباسؓ توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن ثلث وستین سنۃ واز معاویہ مات رسول اللہ علیہ وسلم وھو ابن ثلث وستین واز عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مات وھو ابن ثلث وستین سنۃ۔

ان سب روایات کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپؐ کی عمر ۶۳ برس تھی اور وہ دن بھی تبلا دیتے ہیں جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ شمائل ترمذی ص۲۸ از عائشہؓ توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین۔ پیر کے دن اور اس کے بعد دنیاوی مال ومتاع کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا تعلق رہتا ہے۔ کیا وہ ان کی ملک میں باقی رہتا ہے۔ کہ بین الورثہ تقسیم نہ کیا جائے۔ یا سرے سے اس کے ساتھ کوئی تعلق کوئی لگاؤ اور کوئی واسطہ ہی نہیں رہتا۔ اسے حضرت امیر عمرؓ نے ایک اوضح سیاق کے ساتھ واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں شمائل ترمذی ص۲۸ (۔ نشدتکم باللہ اسمعتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مال نبی صدقۃ الا ما اطعمہ اللہ انا لا نورث۔ نبی کا سب مال صدقہ ہے۔ سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اسے کھلا دیا۔ ہمارا کوئی ورثہ نہیں ہوتا۔ تبلایئے! یہ سیاق انبیاء علیہم السلام کا تعلق مال سے بہت کم تبلا رہا ہے کہ وہ صدقہ ہی صدقہ ہے۔ اس میں اتنی مضبوطی نہیں کہ وہ ورثہ کی طرف منتقل ہو سکے یا اتنا مضبوط تبلا رہا ہے کہ ان کے انتقال من الدنیا کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ کلا و حاشا۔ ہرگز ہرگز اس حدیث کا یہ مطلب نہیں اور نہ اس سے بعض احکام میں حیات دنیویہ ثابت ہوتی ہے۔ جو اس

کے خلاف پر اصرار کرتا ہے۔ اسے یہ فکر کرنی چاہیے۔ کہ قیامت آنے والی ہے۔ کل سب نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے ... یوم لا ینفع مال ولا بنون۔

یہ ہیں ہماری گذارشات ان دوستوں کی خدمت میں جنہوں نے عرصہ ڈیڑھ برس سے خواہ مخواہ ہمارے خلاف ایک مہم جاری کر رکھی ہے اور آج تک ہمیں سمجھ نہیں آتا۔ کہ ہم نے ان کا کیا قصور کیا۔ کونسا گناہ عظیم کیا۔ کہ مسلک ہمارا راجح قوی مؤید بالقرآن والاحادیث الصحیحہ اور جمہور مسلمین صحابہ، تابعین، تبع تابعین، خلفائے اربعہ، مہاجرین وانصار، ائمہ دین، ابوبکر الصدیق، عائشہ صدیقہ، ام سلمہ، امام مجدد، شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ، سید آلوسی، قرطبی وغیرہم ہمارے ساتھ اور پھر ہم ساکت رہے۔ کہ جماعت میں تشتت وافتراق اور انتشار پیدا نہ ہو۔ اور مزید تعجب اس پر ہے۔ کہ ہم آج تک ان کے خادم رہے انہیں بڑا سمجھا (اور بڑے ہیں بھی) اور اپنے آپ کو ان کا چھوٹا بھائی اور خادم سمجھا۔ پھر اس للہ فی اللہ چلائی ہوئی مہم کو یہ دن بدن ہوا دیتے گئے۔ تیز کرتے گئے۔ ہم چپ رہے بلکہ منت سماجت کرتے رہے کہ خدارا اسے بند کیجئے مگر ان حضرات نے اور تیز کی۔

بات کیا تھی اگر عنایت اللہ شاہ بخاری کی کوئی بات انہیں پسند نہیں آئی تھی تو اسے اپنی جگہ دلائل سے سمجھاتے بلکہ یہ بڑے تھے وہ چھوٹا اسے اپنی جگہ خوب جھاڑ دے دیتے۔ یا پھر کسی مرحلہ پر اس مہم کو ختم کر دیتے مگر انہوں نے ہمارے سکوت کو (جو اس لئے تھا کہ جماعت میں انتشار پیدا نہ ہو

نہایت غلط سمجھا۔ اور نہایت غلط محمل پر حمل کیا۔
بات یہ نہ تھی کہ ہمارا مسلک کمزور ہے۔ بحمد اللہ ہمارا مسلک یقیناً قوی تر اور راجح اور نصوص شرعیہ قطعیہ اور جمہور مسلمین کے موافق ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح پہلے سے معاملہ چلا آرہا ہے یہ بڑے ہم چھوٹے، یہ مخدوم ہم خادم۔ اسی طرح آئندہ بھی چلنا ہے۔ اسی میں بہتری ہے۔ اور یہی انشاء اللہ عند اللہ پسندیدہ ہے ؎

صفحنا عن بنی ذهل وقلنا القوم اخوان

عسی الایام ان یرجعن قوما کالذی کانوا الخ...

اب فیصلہ اس پر کر لیں۔ کہ ہم نے اپنے معروضات اور ان کے دلائل پیش کر دئے ہیں۔ اور مزید اور بھی ہیں۔ جو ضرورت کے وقت پیش کی جا سکتی ہیں۔
ہماری یہ معروضات موجودہ اکابر حضرت مولانا رسول خان صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری۔ (پاکستان)، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب (ہندوستان) کو پہنچ جائیں گی۔
آپ بھی اسی طرح لکھ کر ان حضرات کو پہنچا دیں۔ اگر یہ حضرات فتوی دے دیں کہ ہم دیوبندیت سے خارج ہو گئے تو ہمیں تسلیم۔ اور اگر یہ فرما دیں کہ ہم دیوبندیت سے خارج نہیں۔ تو آپ تسلیم کر لیں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو یہ تماشا ختم کر دیں۔

اور اگر ایسا بھی نہیں کریں گے تو ہم آپ کے خدام اور قوم کی اکثریت یہ سمجھنے پر مجبور ہوگی۔ کہ آپ خواہ مخواہ معاملہ کو ناجائز طول دینا چاہتے ہیں یہ خطاب ہے آپ علماء سے۔ رہے اسٹیج کی زینت بننے والے لیڈر حضرات سو ان سے اتنا ہی عرض کرنا ہے۔ کہ اس سے پہلے کے تجربات تو شاہد ہیں۔ کہ علمائے حق کے خلاف کر کے کوئی جماعت کامیاب نہیں ہوئی۔ اب اب آپ نے علماء کے خلاف لنگر لنگوٹہ کسا ہے۔ دیکھئے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ علماء کا خدا حافظ فانہ خیر حافظا وهو ارحم الراحمین۔

آخری اور فیصلہ کن

امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

اب حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بارے میں ایک آخری فیصلہ کن عبارت پیش کردی جاتی ہے۔ ناظرین کرام اس کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ اس میں صحیح مسلک کی وضاحت بھی ہے اور فیصلہ بھی!
حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مکتوب پنجاہ و ہشتم جلد ثانی صـ۱۱۲ میں فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و آلہ الطاہرین۔ صحیفہ شریفہ کہ از حسن نشاء و علو فطرت التفات فرمودہ بودند بمطالعہ آں مشرف گشت سلمکم اللہ تعالےٰ نوشتہ بودند کہ شیخ محی الدین عربی قدس سرہ در فتوحات مکیہ حدیثے نقل میکند کہ آں سرور فرمودہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ ان اللہ خلق مائۃ الف آدم و حکایتے می آرد در بعضے مشاہدات عالم مثال کہ در وقت طواف کعبہ معظمہ چنین ظاہر شد کہ ہمراہ جمعے طواف میکنند کہ من ایشان را نمی شناسم و در اثنائے طواف ایشان دو بیت عربی خواندند کہ یکے ازان دو بیت این است

لقد طفنا کما طفتم سنینا
بھذا البیت طرا اجمعنا

چوں این بیت شنیدم در خاطر گذشت کہ اینہا ابدان عالم مثال اند و مقارن این خطور یکے از اینہا بجانب من نگاہ کرد۔ و فرمود کہ من از جملہ اجداد توئم، من پرسیدم کہ چند سالست از فوت تو فرمود کہ از فوت من زیادہ از چہل ہزار سالست من از روئے تعجب گفتم کہ از ابتداء خلقت ابو البشر علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام تا ایندم ہفت ہزار سال تمام نشدہ است۔ فرمود تو از کدام آدم میگوئی۔ این آدم اوست کہ در اول دورہ ہفت ہزار سال خلق شدہ است۔ شیخ فرمودہ در این وقت آں حدیث نبوی علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ سابق تحریر یافتہ است بخاطر گذشت کہ مؤید این قول است۔ مخدوما مکرما! درین مسئلہ بعنایت اللہ سبحانہ آنچہ برایں فقیر ظاہر گشتہ است کہ این ہمہ آدم کہ پیش از وجود حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام گذشتہ اند وجود ایشاں در عالم مثال بودہ است نہ در عالم شہادت۔ ہمین حضرت آدم است کہ در عالم شہادت موجود گشتہ است و در زمین خلافت یافتہ و مسجود ملائکہ شدہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سبحانہ علی نبینا و علیہم اجمعین۔ غایۃ ما فی الباب آدم چوں بر صفت جامعیت مخلوق گشتہ است و در حقیقت خود لطائف و اوصاف بسیار دارد و پیش از وجود او بقرون متطاولہ در ہر وقت از اوقات صفت از صفات یا لطیفہ از لطائف او بایجاد خداوندی جل سلطانہ در عالم مثال موجود گشتہ است و بصورت آدم ظاہر شدہ و مسمّٰی باسم او گشتہ و کاروبار آدم منتظر از وے بوقوع آمدہ حتیٰ کہ توالد و تناسل کہ مناسب عالم مثال است نیز بظہور پیوستہ و کمالات صوری و معنوی مناسب آں عالم نیز یافتہ و شایان عذاب و ثواب گشتہ بلکہ قدحق او قائم شدہ بہشتی ببہشت و دوزخی بدوزخ رفتہ بعد ازاں

در وقتے از اوقات بمشیت اللہ سبحانہ صفتے با لطیفہ دیگر از صفات و لطائف او علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام در رنگ آں عالم بمنصہ ظہور آمدہ دکار و باریکہ از ظہور اول بوجود آمدہ بود از ظہور ثانی نیز بوجود آمدہ و چوں آں دورہ نیز تمام شدہ ظہور ثالث از آں صفات و لطائف او علیہ و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام بحصول پیوستہ و چوں آں ظہور نیز دورہ خود را تمام کرد ظہور رابع بثبوت پیوستہ الی ماشاء اللہ تعالیٰ و چوں دوائر ظہورات مثالیہ او کہ تعلق بصفات و لطائف او داشت تمام گشتہ آخر الامر آں نسخہ جامعہ در عالم شہادت بایجاد خداوندی جل شانہ بوجود آمدہ بفضل خداوندی جل سلطانہ معزز و مکرم گشتہ۔ اگر صد ہزار آدم باشند اجزاء ہمیں آدم اند۔ و دست و پائے وے اند و مبادی و مقدمات وجود او اند۔ چہ شیخ بزرگوار کہ زیادہ از چہل ہزار سال فوت او گذشتہ است لطیفہ بودہ است در مثال از لطائف۔ چہ شیخ کہ بعالم شہادت وجود داشتے است و طوائف بیت اللہ کہ مے کردہ در عالم مثال مے کردہ چہ کعبہ معظمہ را نیز در مثال صورت و تشبیہ بودہ است کہ اہل آں عالم را قبلہ بودہ؛

اب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو تدبر و غور سے مطالعہ فرمایئے! آپ کے نزدیک پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے عالم مثال میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد اور ان کے سارے کاروبار اور کعبۃ اللہ اور اس کا طواف سب کچھ ہو رہا ہے یہاں تک کہ توالد و تناسل جو اس

عالم کے مناسب ہے۔ وہ بھی رہا ہے۔ بلکہ اہلِ بہشت بہشت میں اور اہلِ دوزخ دوزخ میں داخل ہو رہے ہیں اور یہ سارا قصہ عالمِ مثال کا ہے مگر یہ حیوٰۃ دنیویہ کا قول کرنے والے حضرات چونکہ خود صوفیہ میں سے ہیں اس لئے یہ اپنی مستقل رائے رکھتے ہیں اور حضرت امام مجددؒ، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبد العزیزؒ، حافظ ابن قیمؒ، علامہ قرطبیؒ، ابن منیرؒ اور جمہور علماء اور محققین صوفیہ کرام کی۔ رائے دیکھنے اور قبول کرنے سے بے نیاز ہیں مگر پھر دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ صاف گوئی سے کام لیں اور اعلان کریں۔ کہ ہم حضرت شاہ ولی اللہ اور امام مجددؒ و امثالہما کی رائے کو قبول نہیں کرتے پھر یہ در پردہ خلاف کرنے کا کیا معنی؟

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی أفضل المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

محمد طاہر الحسنی
نوجوانِ توحید و سنت دولتالہ تحصیل
گوجرخان ضلع راولپنڈی
بشکریہ: مولانا مفتی کفایت اللہ عثمانی صاحب
خطیبِ قدیمی جامع مسجد
24/07/2013